رجسٹرڈ انگلشیہ نمبر ( )

شرح چندہ
سالانہ .... ۔/
ششماہی .... ۔/
سہ ماہی .... ۔/

قیمت پرانا پرچہ (۴/)

فرخندہ بنیاد حیدرآباد دکن

ہفتہ وار

مملکت

ایڈیٹر
میر حسن الدین بی اے ال ال بی (عثمانیہ)

رجسٹرڈ آصفیہ نمبر (۱۸۰)

شرح چندہ
سالانہ .... ۔/
ششماہی .... ۔/
سہ ماہی .... ۔/

قیمت فی پرچہ (۲/)

جلد (۲) | ۱۱ر فروردی ۱۳۵۲ف | ۷ر صفر ۱۳۶۲ھ | ۱۳ر فروری ۱۹۴۳ء شنبہ | نمبر (۴۴)

ترکوں کا مذہب اور اُن کی سیاست

علامہ اقبال مرحوم کے خیالات

[ترکی صحافتی وفد سے ہندوستان کے بعض جرائد نگاروں نے ایسے سوالات کئے جو بالکل بے محل تھے۔ اگر سوال کرنے والوں کو ترکی کے نازک بین الاقوامی موقف کا ذرا بھی احساس ہوتا تو وہ ایسے سوالات سے احتراز کرتے۔ بہرحال ان سوالات اور ترکی وفد کے جوابات سے ہندوستان کے بعض جرائد میں مذہب اور قومیت کی ایک بحث چھڑ گئی ہے۔ ہمیں یاد پڑتا ہے کہ غالباً ۱۹۳۳ء میں اسی قسم کا ایک مناقشہ برپا ہوا تھا۔ پنڈت جواہرلال نہرو نے اپنے ایک مضمون میں جو ماڈرن ریویو کلکتہ میں شائع ہوا تھا یہ تحریر کیا تھا کہ ترکی اب اسلامی ملک نہیں رہا۔ اس کے جواب میں علامہ اقبال مرحوم نے ایک مقالہ سپرد قلم کیا تھا جس کے ایک حصہ کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے تاکہ قارئین اس مفکر اعظم کے خیالات کی روشنی میں اس مسئلہ کو سمجھ سکیں۔ "مملکت"]

کیا ہندوستان سے باہر دوسرے اسلامی ممالک خاص کر ترکی نے اسلام کو ترک کر دیا ہے؟ پنڈت جواہرلال نہرو خیال کرتے ہیں کہ ترکی اب اسلامی ملک نہیں رہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس بات کو محسوس نہیں کرتے کہ یہ سوال کہ آیا کوئی شخص یا جماعت اسلام سے خارج ہو گئی، مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے ایک خالص فقہی سوال ہے اور اس کا فیصلہ اسلام کی ہیئت ترکیبی کے لحاظ سے کرنا پڑے گا۔ جب تک کوئی شخص اسلام کے دو بنیادی اصولوں پر ایمان رکھتا ہے یعنی توحید اور ختم نبوت تو اس کو ایک راسخ العقیدہ ملا بھی اسلام کے دائرہ سے خارج نہیں کر سکتا خواہ فقہ اور آیات قرآنی کی تاویلات میں وہ کتنی ہی غلطیاں کرے۔ غالباً پنڈت جواہرلال نہرو کے ذہن میں وہ مفروضہ یا حقیقی اصلاحات ہیں جو اتاترک نے رائج کی ہیں۔ اب ہم تھوڑی دیر کے لئے ان کا جائزہ لیں گے۔ کیا ترکی میں ایک عام مادی نقطۂ نظر کا نشوونما اسلام کے منافی ہے؟ مسلمانوں میں ترک دنیا کا بہت رواج ہو چکا ہے۔ مسلمانوں کے لئے اب وقت آ گیا ہے کہ وہ حقائق کی طرف متوجہ ہوں۔ مادیت مذہب کے خلاف ایک حربہ ہے۔ لیکن ملا اور صوفی کے پیروں کے استعمال کے لئے ایک موثر حربہ ہے جو عموماً لوگوں کو اس غرض سے گرفتار حیرت کر دیتے ہیں کہ ان کی جہالت اور زود اعتقادی سے فائدہ اٹھائیں۔ اسلام کی روح مادے کے قرب سے نہیں ڈرتی۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ تمہارا دنیا میں جو حصہ ہے اس کو نہ بھولو۔ ایک غیر مسلم کے لئے اس کا سمجھنا دشوار ہے۔ گذشتہ چند صدیوں میں دنیائے اسلام کی جو تاریخ رہی ہے اس کے لحاظ سے مادی نقطۂ نظر کی ترقی تحقیق ذات کی ایک صورت ہے۔ کیا لباس کی تبدیلی یا لاطینی رسم الخط کا رواج اسلام کے منافی ہے؟ اسلام کا بحیثیت ایک مذہب کے کوئی وطن نہیں اور بحیثیت ایک معاشرہ کے اس کی کوئی مخصوص زبان ہے اور نہ کوئی مخصوص لباس۔ قرآن کا ترکی زبان میں پڑھا جانا تاریخ اسلام میں کوئی نئی بات نہیں۔ اس کی چند مثالیں موجود ہیں۔ ذاتی طور پر میں اس کو فکر و نظر کی ایک سنگین غلطی سمجھتا ہوں کیونکہ عربی زبان و ادب کا مستشرق اچھی طرح جانتا ہے کہ غیر یورپی زبانوں میں اگر کسی زبان کا مستقبل ہے تو وہ عربی ہے۔ بہرحال اب یہ اطلاع میں آ رہی ہے کہ ترکوں نے ملکی زبان میں قرآن کا پڑھنا ترک کر دیا ہے۔ تو کیا کثرت ازدواج کی ممانعت یا علما پر لائسنس حاصل کرنے کی قید منافی اسلام ہے؟ فقہ اسلام کی رو سے ایک اسلامی ریاست کا امیر مجاز ہے کہ شرعی "اجازتوں" کو منسوخ کر دے بشرطیکہ اس کو یقین ہو جائے کہ یہ اجازتیں معاشرتی فساد پیدا کرنے کی طرف مائل ہیں۔ رہا علما کا لائسنس حاصل کرنا۔ آج مجھے اختیار ہوتا تو یقیناً میں اسے اسلامی ہند میں نافذ کر دیتا۔ ایک اوسط مسلمان کی سادہ لوحی زیادہ تر افسانہ تراش ملا کی ایجادات کا نتیجہ ہے۔ قوم کی مذہبی زندگی سے ملاؤں کو الگ کر کے اتاترک نے وہ کام کیا جس سے ابن تیمیہ یا شاہ ولی اللہ کا دل مسرت سے لبریز ہو جاتا۔ رسول کریم کی ایک حدیث مشکوٰۃ میں درج ہے جس کی رو سے وعظ کرنے کا حق صرف اسلامی ریاست کے امیر یا اس کے مقرر کردہ شخص یا اشخاص کو حاصل ہے۔ خبر نہیں اتاترک اس حدیث سے واقف ہیں یا نہیں۔ تاہم یہ ایک حیرت انگیز بات ہے کہ اس کے اسلامی ضمیر کی روشنی نے اس اہم ترین معاملہ میں اس کے میدان عمل کو کس طرح منور کر دیا ہے۔ سوئٹزرلینڈ کے قوانین اور اس کے قواعد وراثت کو اختیار کر لینا فی الواقع ایک سنگین غلطی ہے جو جوش اصلاح کی وجہ سے صادر ہو گئی ہے اور ایک ایسی قوم میں جو سرعت کے ساتھ آگے بڑھنا چاہتی

(باقی صفحہ ... پر)

ہفتہ وار
مملکت
جلد ۲ | ۱۱ر فروردی ۱۳۵۵ف روز شنبہ | نمبر ۴۲

بلدیہ حیدرآباد کی مالی حالت

حکومت کی اولین توجہ ضروری ہے

اس سے قبل ہم نے بلدیہ کے نظم و نسق پر تبصرہ کرکے چند تجاویز پیش کی تھیں۔ اب ہم بلدیہ کی آمدنی و خرچ پر تبصرہ کرکے چند اہم امور کی جانب حکومت اور پبلک کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ بلدیہ کے بجٹ کے مسودہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ گزشتہ سنہ ف میں بلدیہ میں سلک افتتاحی (۳۹،۱۲۱) روپے تھی اور آمدنی (۱۳،۳۳،۹۶۷) روپے تھی اور (۱،۳۰،۳۹۰،۱) روپے اخراجات کے بعد سلک افتتاحی (۳۰،۳۰،۳۰) روپے تھی۔ اور ۱۳۵۴ف میں سلک افتتاحی (۲۷،۰۰) روپے آمدنی (۱۴،۶۳،۳۹۰) روپے اور اخراجات کی مقدار (۱۴،۹۰،۳۹۰) روپے تھی مصارف کے بڑھ جانے کی وجہ سے سلک افتتاحی کے لئے کچھ باقی نہ رہا۔ ۱۳۵۲ف کے لئے آمدنی کا اندازہ (۱۳،۱۲) لاکھ کیا گیا ہے اور اخراجات (۱۴،۵) لاکھ روپے تجویز کئے گئے ہیں جس کی وجہ سے ایک لاکھ کی کمی واقع ہوتی ہے۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے رقم قرضہ سے سرمایۂ بلدیہ میں ایک لاکھ روپے منتقل کرنے کی تجویز ہوئی ہے۔ جب سے حکومت نے چالیس لاکھ کا قرضہ منظور کیا ہے ہر سال رقم قرضہ سے کچھ نہ کچھ رقم سرمایۂ بلدیہ میں منتقل کی جاتی ہے تاکہ آمدنی اور خرچ میں توازن قائم رکھا جاسکے۔

قرضہ کا مقصد

حکومت سرکار عالی نے چالیس لاکھ کا قرضہ بلدیہ کو اس غرض سے منظور کیا تھا کہ اس رقم سے باغ گرد سڑکیں، مارکٹ و مسالخ اور بلدی خدمات کے مراکز وغیرہ تیار کئے جائیں۔ شہر حیدرآباد ہندوستان میں چوتھا شہر ہونے کے باوجود بجز چند شاہراہوں کے یہاں کی سڑکیں عام طور پر ناگفتہ بہ حالت میں ہیں۔ بارش کے موسم میں پختہ نالیوں کی عدم موجودگی کی وجہ سے یہ سڑکیں دشوار گزار ہوجاتی ہیں۔ اگر اس رقم قرضہ کو ایسے اہم بلدی امور کی تکمیل کے لئے کسی منظم لائحہ عمل کے تحت صرف کیا جاتا تو یہ باشندگان شہر کے لئے گونا گوں سہولتوں کا باعث ہوتا۔ مگر بیان کیا جاتا ہے کہ مجلس بلدیہ اس رقم قرضہ کو دیگر اخراجات کے لئے بلدیہ کے سرمایہ میں منتقل کرتی جارہی ہے اور اپنے موازنہ کے خسارہ کو پورا کرنے کے لئے اس کو ایک ذریعہ بنا رکھا ہے۔ اخراجات میں اضافہ کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ بلدیہ میں بعض غیر ضروری عہدے موجود ہیں جن کی تنخواہوں کا بار موازنہ پر پڑ رہا ہے۔ شاید حکومت نے قرضہ منظور کرتے وقت اس امر پر زیادہ غور نہیں کیا کہ اس کثیر رقم کی ادائی حقیقت میں ممکن بھی ہے یا نہیں۔

آمدنی

بلدیہ کی آمدنی پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر رقم قرضہ اور سرکاری امداد کو منہا کردیا جائے تو آمدنی دس لاکھ سے زیادہ نہیں۔ شہر حیدرآباد کی آبادی یہاں کے تجارتی کاروبار یہاں کے املاک و جائداد کے لحاظ سے بلدیہ کی آمدنی بہت کم ہے۔ مجلس بلدیہ کو وجود میں آکر ایک کافی مدت ہوچکی ہے لیکن مجلس بلدیہ نے آج تک توفیر آمدنی کے متعلق خاطر خواہ توجہ نہیں کی ہے یہ اطلاع ملی ہے کہ محکمہ بلدیہ نے بعض تجاویز حکومت کے آگے پیش کی ہیں جو اب تک منظور نہیں ہوئیں جس کی وجہ سے آمدنی متاثر ہوئی۔ آمدنی کے موجودہ مدات ایسے ہیں کہ ان میں کافی اضافہ ممکن ہے۔ شہر حیدرآباد میں موٹروں اور ٹیکسیوں کی اس قدر کثرت ہوگئی ہے کہ سڑکوں پر عبور و مرور میں دقت ہورہی ہے لیکن بلدیہ کی طرف سے ان پر کسی قسم کا ٹیکس عائد نہیں کیا گیا۔ اس کی وجہ سمجھنے سے ہم بالکل قاصر ہیں۔ یہ مسئلہ نہ صرف مجلس بلدیہ بلکہ حکومت کی بھی توجہ کا مستحق ہے۔

خرچ

جن مدات میں اس وقت آمدنی ہورہی ہے ان میں اضافہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ مجلس بلدیہ شرح ٹیکس میں اضافہ کرنے کے مسئلہ پر غور کرے۔ اس سے ہمارا یہ مطلب نہیں کہ غریب اور متوسط طبقوں پر اضافہ ٹیکس کا بار ڈالا جائے ہمارے خیال میں شرح ٹیکس میں اضافہ کرتے وقت ایک ایسا اصول مقرر کیا جاسکتا ہے جس کے تحت ٹیکس کا بار صرف ایسے افراد پر پڑے جو صاحب ثروت ہوں اور جن میں ادائی کی قابلیت ہو۔ لیکن ہم نہیں سمجھتے کہ اراکین بلدیہ بطیب خاطر اس تجویز کو قبول کریں گے کیونکہ وہ رائے دہندوں پر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ان کی وجہ سے ٹیکس کی شرح میں اضافہ نہیں ہو رہا ہے لہذا آئندہ انتخابات میں بھی وہی زیادہ رائے حاصل کرنے کے مستحق ہیں۔ اسی ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ جہاں شرح ٹیکس میں اضافہ ممکن ہے وہاں اضافہ کی ابھی تک کوئی کوشش نہیں کی گئی۔

خرچ کے مدات پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ جن مدوں پر زیادہ خرچ منفعت بخش ہوسکتا تھا وہاں کمی کی گئی اور جو اخراجات غیر منفعت بخش تھے ان میں اضافہ ہوتا رہا۔ مجلس بلدیہ کے قیام کے بعد سے بکثرت ایسے اخراجات منظور ہوئے ہیں جو نہ تو شہریوں کے مفاد کے لئے ضروری تھے اور نہ شہر کے۔

تنخواہوں کا بار

بلدیہ کے موازنہ پر سب سے زیادہ بار تنخواہوں کا ہے جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے رقم قرضہ اور سرکاری امداد کو منہا کرنے کے بعد ۱۳۵۴ف میں بلدیہ کی آمدنی دس لاکھ سے زیادہ نہیں تھی۔ اس کے مقابلہ میں تنخواہوں پر ۱۰½ لاکھ سے زیادہ رقم صرف ہوگئی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تنخواہوں پر اس قدر کثیر رقم صرف ہونے کے بعد معیار کارکردگی میں کیا اضافہ ہوا؟ شہر کی صفائی اور عام صحت میں کسی قسم کی بہتری نہیں پائی جاتی۔ توقع کی جارہی تھی کہ مجلس بلدیہ کے قیام کے بعد بلدیہ کے نظم و نسق کی خاطر خواہ اصلاح ہوجائے گی لیکن اراکین بلدیہ نظم و نسق کی اصلاح پر توجہ کرنے کے بجائے قوت تقریر کے مظاہروں میں اپنے اوقات صرف کرتے رہے۔ ہم نے سنا ہے کہ محکمہ بلدیہ کے ادنیٰ ملازمین کی ایک کافی تعداد ایسی ہے جو جز خانوں میں منسلک ہے اور ان کی تقریباً پوری تنخواہ عدالتی ڈگریوں کی تعمیل میں قرق ہوجاتی ہے۔ اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایسے ملازمین کی اخلاقی حالت کیا ہوگی۔ ہمیں خبر نہیں کہ اراکین بلدیہ اس واقعہ سے کس حد تک واقف ہیں۔ اگر واقف ہیں تو اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر کبھی غور کرنے کی زحمت گوارا کی ہے یا نہیں۔

ہم اکثر اخباروں میں دیکھتے ہیں کہ مجلس بلدیہ حکومت سے یہ مطالبہ کرتی ہے کہ فائر بریگیڈ، ملیریا اور پلیگ کے محکمے بلدیہ کے حوالے کردئے جائیں کیونکہ بلدیہ کے موازنہ سے کچھ رقم ان محکموں کے اخراجات کے لئے دی جاتی ہے۔ یہ مطالبہ اصولاً درست ہے لیکن عملاً اس کے نتائج خوش آئند نہیں ہوسکتے۔ موتی محل کی آتش زدگی کا واقعہ بھولا نہیں جاسکتا۔ اگر بلدیہ میں فائر بریگیڈ کو منظم حالت میں رکھنے کی صلاحیت ہوتی اور وہ اپنی کارکردگی کا ثبوت دیتا تو اس کو بلدیہ سے علحدہ کرنے کی نوبت ہی نہ آتی۔ ملیریا اور پلیگ کے محکمے جب سے سرکار عالی کی نگرانی میں دئے گئے ہیں ان کی حالت بہتر ہوگئی ہے۔ یہ محکمے ایسی صورت میں بلدیہ کے سپرد کئے جاسکتے ہیں جبکہ موجودہ مجلس بلدیہ بحالت موجودہ یا جدید انتخابات کے بعد مجلس کی رکنیت پر پبلک کے حقیقی خدمت گزار فائز ہوں۔

جدید انتخابات کی ضرورت

ہماری یہ قطعی رائے ہے کہ شہریوں کے مفاد کے مد نظر موجودہ مجلس بلدیہ فوراً برخاست کر دی جائے اور بلدیہ کے نظم و نسق اور آمدنی و خرچ کی تحقیقات کے لئے حکومت کی جانب سے ایک کمیشن مقرر کیا جائے جس کا یہ فرض ہو کہ نظم و نسق کی اصلاح اور موازنہ کو ٹھیک کرنے کے متعلق تجاویز مرتب کرے۔ اور اس اثنا میں جدید قانون بلدیہ جو زیر ترسیم ہے نافذ کیا جائے اور مفاداتی بنیاد پر انتخابات عمل میں لائے جائیں۔ آنے والی جدید مجلس کمیشن کی تجاویز کو وقت ضائع کئے بغیر روبعمل لائے۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو ہمیں اصلاح کی کوئی صورت نظر نہیں آتی کیونکہ موجودہ قانون بلدیہ کے تحت ہر رکن اپنے آپ کو مقتدر بھی سمجھتا ہے اور غیر ذمہ دار بھی اور اسی کا نتیجہ ہے کہ مجلس بلدیہ کا اجلاس اکثر بیشتر ہنگامہ آرائیوں کا آماجگاہ بنا رہتا ہے۔ ایک دوسری چیز جو مجلس بلدیہ میں ہنگامہ آرائی کا باعث ہو رہی ہے وہ بعض اراکین کی فرقہ وارانہ ذہنیت ہے۔ اس کا ازالہ بھی جدید قانون بلدیہ سے ہو سکے گا کیونکہ یہ مفاداتی بنیاد پر مرتب کیا جا رہا ہے اور اس میں طریقہ انتخاب اور ہندو مسلم اراکین کا تناسب مجلس بلدیہ کے لئے بھی وہی رکھا جائے گا جو مجلس مقننہ کے لئے تجویز کیا گیا ہے۔

سرکاری ملازمین اور عوام کا بیمہ

اس عالمگیر جنگ سے زندگی کا ہر شعبہ متاثر ہو رہا ہے اور عوام کی انفرادی اور اجتماعی مالی حالت پر جو اثر پڑ رہا ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ ایسے پر آشوب اور سراسیمگی کے زمانہ میں حکومت سرکار عالی نے انشورنس کے قیام اور شاخ بیمہ کے فوائد سے جس سے اب تک صرف سرکاری ملازمین ہی مستفید ہو رہے تھے عوام کو بھی استفادہ کا موقع عطا کرنے کا تصفیہ کیا ہے۔ چنانچہ حکومت کی جانب سے پبلک انشورنس اسکیم کے نفاذ کی خبر نے عوام میں یہ اطمینان پیدا کر دیا تھا کہ اب انہیں بیرونی بیمہ کمپنیوں کی محتاجی نہیں رہے گی۔ حکومت کے اس مستحسن اقدام کا عوام نے گرمجوشی سے خیر مقدم کیا۔

ابھی ہم پبلک انشورنس اسکیم کے برکات اور ثمرات سے بہرہ اندوز ہونے کا بے چینی سے انتظار کر ہی رہے تھے کہ یہ خبریں سنائی دے رہی ہیں کہ کوئی بیرونی کمپنی اس سارے کاروبار کو حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ سنا جا رہا تھا کہ پبلک انشورنس اسکیم کی منظوری کے بعد اس کے ذیلی قواعد مرتب کئے گئے، اور منظوری کی غرض سے پیش ہو چکے ہیں۔ اس نوبت پر یہ سمجھنا دشوار ہے کہ کیوں ایسا کاروبار جو مفاد عامہ سے تعلق رکھتا ہے اور سرکار عالی پر عوام کا خاطر خواہ اعتماد ہونے کی وجہ سے نہایت کامیابی کے ساتھ روبعمل لایا جا سکتا ہے ایک بیرونی کمپنی کے تفویض کیا جائے۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ سرکاری اداروں پر عوام کو جو اعتماد ہو سکتا ہے وہ کسی بیرونی کمپنی پر نہیں ہو سکتا۔ اس طرح کی اور بھی کمپنیاں حیدرآباد میں پہلے ہی سے موجود ہیں۔ چنانچہ ایک نیم سرکاری کمپنی موسومہ "دی حیدرآباد کوآپریٹیو انشورنس سوسائٹی" کئی سال سے کام کر رہی ہے جس کی نگرانی جناب معتمد صاحب فینانس، ناظم صاحب انجمن ہائے امداد باہمی اور بعض امرا و عہدہ داران سرکار عالی کر رہے ہیں۔ لیکن جو اہمیت پبلک انشورنس اسکیم کو حاصل ہو سکتی ہے وہ اس قسم کے کسی غیر سرکاری یا نیم سرکاری ادارہ کو ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی۔ بہر حال مجوزہ پبلک انشورنس اسکیم کو حکومت کی جانب سے نافذ کرنے کے بجائے اگر یہ کاروبار کسی بیرونی کمپنی کے تفویض کیا جائے گا تو رفاہ عامہ سے متعلق سرکار عالی کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا اور پھر ہمارا سرمایہ ایک بیرونی کمپنی کی تحویل میں چلا جائے گا۔ ہماری ہمسایہ ریاست میسور میں پبلک انشورنس اسکیم نہایت کامیابی کے ساتھ چل رہی ہے اور اب تو وہاں حادثاتی اور آگ کے بیموں کا بھی نفاذ ہو رہا ہے۔

توقع ہے کہ ارباب مقتدر صحیح صورت حال سے پبلک کو مطلع فرمائیں گے اور اس تشویش کو دور کر دیں گے جو اس خصوص میں پیدا ہو رہی ہے۔

دسویں کانفرنس طیلسانین عثمانیہ

حیدرآباد۔ ۸ر فروردی۔ دسویں کانفرنس طیلسانین عثمانیہ کے موقع پر جو ۲۹ و ۳۰ر فروردی کو منعقد ہو رہی ہے۔ نمائش تصانیف و تالیفات طیلسانین عثمانیہ کا انعقاد عمل میں آئے گا۔ مولوی شرف الدین صاحب بی۔ اے (عثمانیہ) اس نمائش کے داعی مقرر کئے گئے ہیں۔ جمیع طیلسانین عثمانیہ سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ اپنے تصانیف و تالیفات بعجلت ممکنہ دفتر کانفرنس پر روانہ کر کے نمائش کو کامیاب بنائیں۔ (دکن نیوز)

خلاصہ رپورٹ نظم و نسق جامعہ عثمانیہ

بابتہ سنہ ۱۳۵۵ف

سال زیر تبصرہ کا سب سے اہم واقعہ یہ ہے کہ ۱۰ر نومبر ۱۹۳۶ء صبح کو ایک خصوصی جلسہ تقسیم اسناد منعقد ہوا جس میں ہز ہائنس جنرل والا شان نواب اعظم جاہ بہادر ولی عہد شہزادہ برار کو ڈاکٹر آف لاز کی اعزازی ڈگری پیش کی گئی اور یہ اس اعتبار سے ایک عظیم الشان واقعہ تھا کہ خاندان آصف جاہی کے ایک شہزادہ کو پہلی دفعہ جامعہ طیلسانین میں شریک کیا گیا۔

دوران سال زیر تبصرہ کلیہ اناث میں ڈپلوما ان ایجوکیشن کی جماعت کا افتتاح کیا گیا، اور یہ حاکک محروسہ سرکار عالی کے لئے استانیوں کی تربیت کے ضمن میں ایک نیا قدم تھا کلیہ اناث میں تعلیمی سال کے آغاز ہی سے بی ایس سی طبیعیات و کیمیا، و بی اے ریاضی کی جماعتیں بھی کھولی گئیں۔

زیر تبصرہ سال کے دوسرے واقعات یہ ہیں کہ جامعہ کے تمام طلبا کے لئے جسمانی تربیت حاضری کی شرط کے ساتھ لازمی قرار دی گئی۔ اور انسٹی ٹیوٹ آف انجنیرس (ہند) کی سب کمیٹی نے یہ سفارش کی کہ سیول اور میکانیکل انجنیرنگ میں جامعہ کی بی۔ ای ڈگری کو انسٹی ٹیوٹ آف انجنیرس کے انسٹی ٹیوٹ ممبرشپ کے امتحان کی دفعات (الف و ب) سے مستثنی کرنے کے لئے تسلیم کیا جائے۔ جامعہ ڈھاکہ کے امتحانات میٹرک انٹرمیڈیٹ، بی۔ اے، اور بی۔ ایس۔ سی مساوات کے اصول پر تسلیم کئے گئے۔

سال زیر تبصرہ کے دوران میں جامعہ کے طلبا کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا۔ اور سال ماسبق کے (۲۲۹۳) کے مقابلہ میں سال حال کی تعداد (۲۴۸۸) تک پہنچ گئی جامعہ کے امتحانات میں اس سال (۲۲۴۶) امیدوار شریک ہوئے۔ اس کے برعکس سنہ ۱۳۴۴ف میں یہ تعداد (۲۹۲۹) تھی۔ میٹرک سے بی۔ اے تک کے امتحانات میں زبان انگریزی کے نتائج غیر اطمینان بخش ہے لیکن امتحانات ایم۔ اے۔ ایم ایس۔ سی اور ایم۔ ای ڈی کے نتائج صد فی صد رہے۔

دار الترجمہ کی تنظیم جدید کی اسکیم نافذ ہونے کے باعث مشاہرہ یاب مترجمین سے جو ترجمہ کرایا گیا، اس کے ہر صفحہ کا اوسط خرچ سال ماسبق کے (۱۰۔۷۔۲۶) روپے کے مقابلہ میں اس سال (۱۳۔۳۔۳) روپے رہا۔ سال زیر تبصرہ میں منجملہ (۳۸) کتب کے جو دار الترجمہ میں زیر ترجمہ یا تالیف تھیں، ۷ کتابیں تیار ہوئیں۔ اور زیر طبع ۸ کتابوں میں سے ۵ کتابیں شائع ہوئیں۔ رپورٹ کے آخر میں بتایا گیا کہ دائرۃ المعارف اور رصدگاہ نظامیہ کی رفتار ترقی پذیر رہی۔

ریڈیو کے ذریعہ تعلیم

نشری تقریر جناب سید علی اکبر صاحب نائب ناظم تعلیمات

معاصر "رہبر دکن" نے اپنی ۹ فروری کی اشاعت میں "ریڈیو پر شعائر اسلامی کی مخالفت" کے عنوان کے تحت ایک اداریہ سپرد قلم کیا تھا جس میں مولوی سید علی اکبر صاحب کی اس نشری تقریر پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کو شعائر اسلام کی مخالفت سے تعبیر کیا گیا تھا۔ اس اداریہ کو پڑھنے کے بعد ہم نے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ اس تقریر میں کونسی بات شعائر اسلام کے خلاف سمجھی گئی۔ چنانچہ ہم نے یہ تقریر حاصل کی اور اس کا بغور مطالعہ کیا لیکن ہمیں کوئی بات شعائر اسلام کے خلاف نظر نہیں آئی۔ ہم اس تقریر کو ذیل میں نقل کرتے ہیں تاکہ قارئین اس کو پڑھ کر خود نتائج اخذ کر سکیں۔ "حکمت"۔

سائنس کی ترقی سے ہم کو جو نعمتیں حاصل ہوئی ہیں ان میں ایک بہت بڑی نعمت ریڈیو یا لاسلکی ہے اور یہ ایسی نعمت ہے جس سے بچے۔ جوان۔ بوڑھے اندھے۔ لنگڑے لولے غرض کہ سوائے بہروں کے باقی سب متمتع ہو سکتے ہیں۔ خواہ وہ پڑھے لکھے ہوں یا ناخواندہ شہروں میں رہتے ہوں یا دیہات میں۔ زندگی میں کھیل کود کے لئے فرصت کا صحیح استعمال ضروری ہے۔ لاسلکی سے ہم کو فرصت کے اوقات مفید طریقہ پر اور لطف سے گزارنے میں بڑی مدد ملتی ہے کیونکہ ہم گھر بیٹھے بہتر سے بہتر موسیقی، معلوماتی مکالمے، تازہ ترین خبریں اور دنیا کے مشہور مدبرین اور مختلف علوم اور فنون کے ماہرین کی تقریریں سن سکتے ہیں۔ لاسلکی نہ صرف مدرسہ اور کالج کے طلبہ بلکہ ناخواندہ بالغوں کی تعلیم کے لئے بھی ایک مفید اور موثر آلہ ہے۔ اس کے علاوہ یہ تعلیم یافتہ اشخاص کے لئے بھی اضافہ معلومات کا ایک نہایت سہولت بخش ذریعہ ہے۔ کاروباری اشخاص کو مطالعہ کے لئے عموماً کافی وقت نہیں ملتا جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی معلومات اور نظر میں وسعت پیدا نہیں ہوتی۔ لاسلکی ان کو نئے خیالات کی رو سے باخبر رکھتی ہے۔

تقریباً پندرہ سال سے مغربی ممالک میں مدارس کے لئے لاسلکی کا استعمال کیا جا رہا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ۱۹۲۶ء میں جبکہ میں لندن میں تھا۔ بی۔ بی۔ سی کے اسکول پروگرام کی اسکیم کا نفاذ ہو چکا تھا چنانچہ وہاں میں نے سورج گہن پر ایک نہایت دلچسپ تقریر سنی جو سورج گہن کے دن طلبہ کے لئے نشر کی گئی۔ لاسلکی کے ذریعہ سے وقت واحد میں ملک کے جملہ مدارس کے طلبہ کو سبق دیا جا سکتا ہے۔ ان اسباق کے نشر کرنے کے لئے ماہرین مقرر کئے جائیں تو ظاہر ہے کہ اس سے تعلیمی معیار کے بلند کرنے میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔ توجہ کے لئے دلچسپی ضروری ہے۔ لاسلکی کے اسباق سے طلبہ کی دلچسپی میں اضافہ کیا جا سکتا ہے اور ہمہ تن متوجہ ہو کر ان اسباق کے سننے سے ان کی ذہنی تربیت ہوتی ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ لاسلکی کا سبق مدرسہ کے سبق کا قائم مقام نہیں ہو سکتا جو اثر مدرسہ میں استاد کی تعلیم میں ہوتا ہے وہ اثر لاسلکی کے ذریعہ دی ہوئی تعلیم میں کبھی نہیں پیدا کیا جا سکتا کسی سبق کی کامیابی محض استاد کی تعلیم پر منحصر نہیں ہوتی بلکہ اس میں اس کی شخصیت اور نظر کو بھی بڑا دخل ہوتا ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ طلبہ سے انفرادی طور پر واقف ہو اور دوران سبق میں ان کا تعاون حاصل کرنے کی اس میں صلاحیت ہو۔ علاوہ اس کے طلبہ مدرسہ میں جو کچھ سیکھتے ہیں وہ صرف سننے سے نہیں سیکھتے۔ مشاہدہ اور تجربہ بھی ان کے لئے نہایت ضروری ہے۔ بہرحال لاسلکی تعلیم کا مقصد یہ نہیں ہے کہ یہ مدرسہ کی تعلیم کی جگہ لے بلکہ یہ ہے کہ اس سے مدرسہ کی تعلیم کو تقویت پہنچے اور اس کے ذریعہ طلبہ کی معلومات میں اضافہ کے لئے وسیع امکانات پیدا کئے جائیں ان کے تجسس کو بیدار کیا جائے اور ان کو غور اور فکر کرنے کی تربیت دی جائے۔

تعلیمی نشر کا پروگرام نہایت احتیاط سے مرتب کرنا چاہئے اور اس میں مدارس کے نصاب اور دیگر ضروریات کا پورا پورا لحاظ رکھنا چاہئے۔ مقررین کے انتخاب میں بھی بڑی احتیاط کی ضرورت ہے مقررین ایسے ہونے چاہئیں جو آہستہ اور صاف بول سکیں اور جن کی تقریر کے سننے سے طلبہ بہت جلد تھک جاتے ہیں اس لئے تقریر کا دوران پندرہ بیس منٹ سے زیادہ نہ ہونا چاہئے اور جہاں تک ہو سکے مضمون کو روزمرہ کے واقعات سے مربوط کر کے اور مثالیں دے کر طلبہ میں دلچسپی پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ایسے خشک موضوعات کو جن پر تقریر کے غیر دلچسپ ہو جانے کا امکان ہو بات چیت اور بحث کے ذریعہ سہل پیرایہ اور مضمون کی رعایت سے مختلف پہلوؤں میں پیش کرنا چاہئے۔ اس طرح ایک ہی نفس مضمون کے متعلق ساری باتیں آسانی سے طلبہ کی سمجھ میں آسکیں گی دو دوسرے تقریر کرنے والوں کے لہجہ میں تنوع کی بدولت دلچسپی بھی زیادہ عرصہ تک قائم رہ سکے گی اس کے علاوہ تاریخ یا سوانح وغیرہ جیسے موضوعات کو ڈرامائی یا نیم ڈرامائی شکل میں پیش کیا جائے تو ان کی دلچسپی اور افادیت میں اضافہ ہو جاتا ہے ضروری باتوں پر مضمون کے ساتھ تعلیمی پروگرام مدارس کو پہلے سے بھیج دینا چاہئے تاکہ مدارس میں مدرسین متعلقہ طلبہ کو اس کے لئے پہلے سے تیار کر سکیں۔ لاسلکی سبق کے ختم ہوتے ہی مدرس کو چاہئے کہ وہ طلبہ سے سوالات کے ذریعہ معلوم کرے کہ جو کچھ انہوں نے سنا ہے وہ کس حد تک ان کے ذہن نشین ہوا ہے اور طلبہ جو مشکلات پیش کریں ان کو حل کرے۔ دوران سبق میں طلبہ سے نوٹس لکھوائے جائیں تاکہ اہم نکات کو یاد رکھ کر بعد میں ان کا اعادہ کرنے میں ان کو مدد ملے۔ نوٹس مختصر ہونے چاہئیں ورنہ طلبہ تقریر سے پورا فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے۔ تقریر و سوالات کرنے کے بعد مدرس کو چاہئے کہ حسب ضرورت تختہ سیاہ، نقشہ اور تصویروں کے ذریعہ سے سبق کو اچھی طرح سے طلبہ کے ذہن نشین کرائے اور اس پر ان کو تحریری مشقیں بھی دے۔

لاسلکی تعلیم جو زیادہ تر لکچر کے طریقہ پر دی جاتی ہے اس لئے یہ بہ نسبت طبقہ تحتانیہ کے طلبہ کے طبقہ ثانویہ اور طبقہ کالج کے طلبہ کے لئے زیادہ موزوں ہے طبقہ تحتانیہ میں صرف قصہ گوئی۔ موسیقی اور نظم خوانی کی حد تک لاسلکی تعلیم مفید ہے۔ ریاضی کی تعلیم کے لئے لاسلکی کسی منزل تعلیم کے طلبہ کے لئے بھی موزوں نہیں ہے البتہ اعلیٰ ثانوی اور جامعاتی جماعتوں کے طلبہ کو ریاضی کے مشہور عالموں کے سوانح سنا کر اس مضمون سے ان کی دلچسپی میں اضافہ کرنے کی کوشش کی جا سکتی ہے۔ سائنس کی تعلیم میں بھی لاسلکی کے استعمال کے امکانات محدود ہیں کیونکہ اس کے لئے مظاہرے اور تجربے ضروری ہیں تاہم مشہور سائنسدانوں کے سوانح اور ان کی کتابوں سے دلچسپ اقتباسات پڑھ کر سنائے جا سکتے ہیں۔ نیز نئے ایجادات اور انکشافات پر ماہرین سائنس کی تقاریر نہایت مفید ثابت ہو سکتی ہیں۔ ادنیٰ ثانوی جماعتوں کے طلبہ کو ابتدائی سائنس کے ایسے اصول جو روزمرہ زندگی میں کام آتے ہیں لاسلکی تقریروں کے ذریعہ سے سمجھائے جا سکتے ہیں مثلاً مطالعہ قدرت میں طلبہ کو ان درختوں پھولوں پرندوں اور چرندوں میں دلچسپی دلائی جا سکتی ہے جن کا وہ روزانہ مشاہدہ کرتے ہیں لیکن جماعت میں طلبہ کے سامنے تصویریں بھی ہونی چاہئیں تاکہ تقریر کو سمجھنے میں ان کو آسانی ہو۔ جغرافیہ کے متعلق اسباق کے لئے لاسلکی مفید نہیں ہے کیونکہ جغرافیہ کی تعلیم بغیر نقشوں، خاکوں اور تصویروں کے نہیں دی جا سکتی۔ جغرافیہ کے لئے لاسلکی کے استعمال کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو دوسرے ممالک کی سیر و سیاحت کر چکے ہیں وہ ان ممالک کے طبعی، سماجی اور دیگر چشم دید واقعات بیان کریں۔ ایسی تقریروں کے سننے کے بعد طلبہ جب اس مضمون پر نصاب کی مقررہ کتاب پڑھیں گے تو ان کو حقیقی لطف آئے گا۔ جغرافیہ اور سائنس کے مقابلہ میں تاریخ کی تعلیم کے لئے لاسلکی زیادہ موزوں ہے۔ تاریخ پر لاسلکی تقاریر کے لئے ایسے واقعات کا انتخاب کرنا چاہئے جن کے نتائج دور رس ثابت ہوئے ہوں مثلاً

(بقیہ صفحہ ۱۲ پر)

ترکوں کا مذہب اور اُن کی سیاست

بقیہ سلسلہ صفحہ (۱)

ایک حد تک قابل معافی ہے۔ جیسے ایمان مذہب کے نتیجہ استبداد سے نجات حاصل کرنے کی مسرت ایک قوم کو بعض اوقات ایسی راہ عمل کی طرف کھینچ لے جاتی ہے جس کا اس قوم کو کوئی تجربہ نہیں ہوتا۔ ترکی اور دیگر تمام دنیائے اسلام کو اسلامی قانون و ریاست کے اُن معاشی پہلوؤں کو بھی منکشف کرنا ہے جن کو قرآن کریم "فقہ اسلام کی بے حد اہم شاخ" سے تعبیر کرتا ہے۔ کیا تنسیخ خلافت یا مذہب و سلطنت کی علیحدگی منافیِ اسلام ہے؟ اسلام اپنی اصلی روح کے لحاظ سے شہنشاہیت نہیں ہے۔ اُس خلافت کی تنسیخ میں جو مذہب کے زمانے سے عملاً ایک سلطنت بن گئی تھی اسلام کی روح اتاترک کے ذریعہ کارفرما رہی ہے۔ مسئلۂ خلافت میں ترکوں کے اجتہاد کو سمجھنے کے لئے ہمیں ابن خلدون کی رہنمائی حاصل کرنی پڑے گی جو اسلام کا ایک جلیل القدر فلسفی مورخ اور تاریخ جدید کا ابو الآبا گزرا ہے۔ میں یہاں اپنی کتاب "اسلامی تفکر کی تشکیل جدید" کا اقتباس پیش کرتا ہوں۔

"ابن خلدون اپنے مشہور مقدمہ تاریخ" میں عالمگیر اسلامی خلافت سے متعلق تین متمایز نقطۂ نظر پیش کرتا ہے (۱) عالمگیر خلافت ایک مذہبی ادارہ ہے اس لئے اس کا قیام ناگزیر ہے۔ (۲) اس کا تعلق محض اقتضائے وقت سے ہے (۳) ایسے ادارے کی ضرورت ہی نہیں۔ آخر الذکر خیال کو خارجیوں نے اختیار کیا تھا جو اسلام کے ابتدائی جمہوریت پسند تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جدید ترکی پہلے خیال کے مقابلے میں دوسرے خیال کی طرف مائل ہے یعنی معتزلہ کے اس خیال کی طرف کہ عالمگیر خلافت محض اقتضائے وقت سے تعلق رکھتی ہے۔ ترکوں کا استدلال یہ ہے کہ ہم کو اپنے سیاسی تفکر میں اپنے ماضی کے سیاسی تجربے سے رہنمائی چاہئے جو بلاشک و شبہ اس واقعہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ عالمگیر خلافت کا تخیل عملی صورت اختیار کرنے سے قاصر رہا۔ یہ تخیل اس وقت قابل عمل تھا جب کہ اسلامی ریاست برقرار تھی۔ اس ریاست کے انتشار کے بعد سے کئی آزاد سلطنتیں وجود میں آ گئی ہیں۔ اب یہ تخیل بے اثر ہو گیا ہے اور اسلام کی تنظیم جدید میں ایک زندہ قوت عنصر کی حیثیت سے کارگر نہیں ہو سکتا۔"

مذہب و سلطنت کی علیحدگی کا تصور بھی اسلام کے لئے غیر مانوس نہیں ہے۔ اسلام کی بعثت کبریٰ کا نظریہ ایک معلوم ہی ایک مدت پہلے شیعی ایران میں اس علیحدگی کو روبہ عمل لا چکا ہے۔ ریاست کے مذہبی و سیاسی وظائف کی تقسیم کے اسلامی تصور کو مذہب اور سلطنت کی علیحدگی کے مغربی تصور سے خلط ملط کرنا چاہئے۔ اول الذکر تو محض وظائف کی ایک تقسیم ہے جیسا کہ اسلامی ریاست میں شیخ الاسلام اور وزراء کے عہدوں کے تدریجی قیام سے واضح ہو جاتا ہے، لیکن آخر الذکر روح اور مادہ کی مابعد الطبعی ثنویت (دوئی) پر مبنی ہے۔ مسیحیت کا آغاز ایک نظام رہبانیت سے ہوتا ہے جسے دنیاوی امور سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اسلام ابتدا ہی سے ایک نظام معاشرتی رہا ہے جس کے قوانین بالطبع معاشرتی ہیں، اگرچہ ان کا ماخذ الہامی ہے۔ مابعد الطبعی ثنویت نے جس پر مذہب و سلطنت کی علیحدگی کا مغربی تصور مبنی ہے، مغربی اقوام میں تلخ اثرات پیدا کئے۔ کئی سال ہوئے امریکہ میں ایک کتاب لکھی گئی تھی جس کا عنوان تھا "اگر مسیح شکاگو آئیں"۔ اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک امریکی مصنف کہتا ہے کہ "مسٹر اسٹیڈ کی کتاب سے ہمیں جو سبق حاصل کرنا ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت نوع انسان جن برائیوں میں مبتلا ہے وہ ایسی برائیاں ہیں جن کا ازالہ صرف مذہبی تاثرات ہی کر سکتے ہیں۔ ان برائیوں کا ازالہ ایک بڑی حد تک ریاست کے سپرد کر دیا گیا تھا لیکن خود ریاست تباہ انگیز سیاسی مشینوں میں دب گئی ہے جنہیں ان برائیوں کا ازالہ کرنے کے لئے نہ صرف تیار نہیں بلکہ وہ اس قابل بھی نہیں ہیں۔ یک کروڑ ہا انسانوں کو تباہی اور خود ریاست کو ہلاکت سے بچانے کے لئے بجز اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ شہریوں میں اپنے اجتماعی فرائض کا مذہبی احساس پیدا کیا جائے۔"

مسلمانوں کے سیاسی تجربے کی تاریخ میں مذہب و سلطنت کی علیحدگی محض وظائف کی علیحدگی ہے نہ کہ عقائد کی۔ اسلامی ممالک میں مذہب و سلطنت کی علیحدگی کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ مسلمانوں کی قانون سازی قوم کے ضمیر سے بے تعلق ہو جائے جو صدیوں سے اسلامی روحانیت کے تحت پرورش و نمو پاتا رہا ہے۔ تجربہ خود بتلا دے گا کہ یہ تخیل جدید ترکی میں کس طرح عملی صورت اختیار کرتا ہے۔ ہم صرف یہ توقع رکھ سکتے ہیں کہ یہ ان برائیوں کا باعث نہ ہوگا جو یورپ اور امریکہ میں پیدا ہو گئی ہیں۔

مذکورہ صدر اصلاحات پر میں نے جو اجمالی بحث کی ہے اس میں میرا روئے سخن پنڈت جواہر لال نہرو سے زیادہ مسلمانوں کی طرف تھا۔ پنڈت جی نے جن اصلاحات کا خاص طور پر ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ ترکوں اور ایرانیوں نے نسلی اور قومی نصب العین اختیار کر لیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ایسا نصب العین اختیار کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ترکوں اور ایرانیوں نے اسلام کو ترک کر دیا ہے۔ تاریخ کا مسلم ابھی جانتا ہے کہ اسلام کا ظہور ایسے زمانہ میں ہوا جب کہ وحدت انسانی کے قدیم اصول جیسے خونی رشتہ اور ملوکیت ناکام ثابت ہو رہے تھے۔ پس اسلام نے وحدت انسانی کا اصول گوشت اور پوست میں نہیں بلکہ روح انسانی میں دریافت کیا۔ نوع انسان کو اسلام کا اجتماعی پیغام یہ ہے کہ "نسل کے قیود سے آزاد ہو جاؤ یا باہمی لڑائیوں سے ہلاک ہو جاؤ"۔ یہ کہنا کوئی مبالغہ نہیں کہ اسلام فطرت کی نسل سازی کو ٹیڑھی نظر سے دیکھتا ہے اور اپنے مخصوص اداروں کے ذریعہ ایسا نقطۂ نظر پیدا کر دیتا ہے جو فطرت کی نسل ساز قوتوں کی مزاحمت کرتا ہے۔ انسانی برادری قائم کرنے کے سلسلہ میں اسلام نے جو اہم ترین کارنامے ایک ہزار سال میں انجام دئے ہیں مسیحیت اور بدھ مت نے دو ہزار سال میں بھی انجام نہیں دئے۔ یہ بات ایک معجزے سے کم نہیں کہ ایک ہندی مسلمان نسل اور زبان کے اختلاف کے باوجود مراکش پہونچ کر اجنبیت محسوس نہیں کرتا۔ تاہم یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اسلام نسل کا صریحاً مخالف ہے۔ تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام نے معاشرتی اصلاح کو زیادہ تر اس امر پر مبنی رکھا کہ تدریجاً نسلی عصبیت کو مٹایا جائے اور ایسا راستہ اختیار کیا جائے جہاں تصادم کا کم سے کم امکان ہو۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ:

"ہم نے تم کو قبائل میں اس لئے پیدا کیا ہے کہ تم پہچانے جا سکو لیکن تم میں سے وہی شخص خدا کی نظر میں بہتر ہے جس کی زندگی پاک ہے۔" اگر اس امر کو نظر میں رکھا جائے کہ مسئلہ نسل کس قدر زبردست ہے اور نوع انسان سے نسلی امتیازات مٹانے کے لئے کس قدر وقت درکار ہے تو مسئلہ نسل کے متعلق صرف اسلام ہی کا نقطۂ نظر یعنی خود ایک نسل ساز عنصر بنے بغیر نسلی امتیازات پر فتح پانا معقول اور قابل عمل نظر آئے گا۔ سر آرتھر کیتھ کی چھوٹی سی کتاب "مسئلہ نسل" میں ایک دلچسپ عبارت ہے جس کا اقتباس یہاں پیش کرنا نامناسب نہ ہوگا۔

"اب انسان میں اس قسم کا شعور پیدا ہو رہا ہے کہ فطرت کا ابتدائی مقصد یعنی نسل سازی جدید معاشی دنیا کی ضروریات کے منافی ہے۔ اور وہ اپنے دل سے پوچھتا ہے کہ مجھ کو کیا کرنا چاہئے؟ کیا نسل سازی کو ختم کر کے جس پر فطرت اب تک عمل پیرا تھی دوامی امن حاصل کیا جائے؟ یا فطرت کو اجازت دی جائے کہ وہ اپنی قدیم راہ عمل اختیار کرے جس کا لازمی نتیجہ جنگ ہے؟ انسان کو کوئی ایک راہ عمل اختیار کرنی پڑے گی۔ کوئی درمیانی راستہ ممکن نہیں۔"

لہٰذا یہ بات اچھی طرح واضح ہے کہ اگر ترک احساس قومیت سے متاثر ہیں تو وہ روحِ اسلام کے خلاف اس قدر نہیں جا رہے ہیں جس قدر کہ روح عصر کے خلاف۔ اگر وہ نسلوں کے وجود کو ضروری سمجھتے ہیں تو اس کو عصر جدید کی روح شکست دے دے گی۔ [illegible]

(بقیہ سلسلہ صفحہ [illegible])

سیاسی نمک پارے

از

کشاف

ہفتۂ گزشتہ کی اہم خبر یہ ہے کہ قائد ملت کے دورۂ راجپوتانہ کی کوئی خبر شائع نہیں ہوئی۔

اس تاریکی کو دور کرنا مسٹر جناح اور صرف مسٹر جناح کے اختیار میں ہے۔ ان کی مفاہمت اگر ہو سکتی ہے تو کانگریس سے اور صرف کانگریس سے ہو سکتی ہے۔ وہ کانگریسی لیڈروں سے جیل میں مل لیں یا ان کی رہائی کی کوشش کریں۔ (ایک معاصر)

کانگریسی جراید ایک مدت سے شور مچا رہے ہیں کہ اس وقت مسٹر جناح پر بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ہم بھی ایک مدت سے یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ یہ ذمہ داری کس نوعیت کی ہے۔ اب ہماری سمجھ میں آیا کہ کانگریسی لیڈروں کو جیل سے رہا کرانے کی ذمہ داری مسٹر جناح پر عائد ہوتی ہے مگر تحریک ستیاگرہ شروع کرنے کی ذمہ داری کانگریسی لیڈروں پر عائد نہیں ہوتی۔

علی گڈھ یونیورسٹی کورٹ میں ۲۰ نشستوں کے انتخابات عنقریب ہونے والے ہیں اور یونیورسٹی کے انتظامی اصلاح کا انحصار صرف اس امر پر ہے کہ فرض شناس اراکین کورٹ میں منتخب ہوں۔ اور ان خود غرض لوگوں کی اکثریت کم ہو جن کی اکثریت کے سہارے یہ کاروبار آج کل چل رہے ہیں۔ (پیام)

علی گڈھ یونیورسٹی کورٹ اور مجلس بلدیہ حیدرآباد میں صرف ۲۳ اور ۲۴ کا فرق ہے۔ نہ تو یونیورسٹی کورٹ میں فرض شناس اراکین منتخب ہو سکتے ہیں اور نہ مجلس بلدیہ میں تاوقتیکہ ان دونوں اداروں کا موجودہ دستور بدل نہ دیا جائے۔

ریلوے اسٹیشن پر گداگروں نے فوجی سپاہیوں کو دق کرنا شروع کیا جس کی وجہ سے فوج کے افسر اعلیٰ نے تمام سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ فوراً پولیس سے مدد لے کر ان کو دور کریں اور پولیس کے افسر اعلیٰ نے بھی پولیس کے نام ہدایت جاری کی ہے کہ وہ سپاہیوں کی مدد کرے۔ (ایک اخباری اطلاع)

اس خبر سے ظاہر ہے کہ پیشہ ور گداگروں کا گروہ اس قدر طاقتور ہو گیا ہے کہ فوج اور پولیس کو ان کے خلاف ایک محاذ تیار کرنا پڑا۔ ہماری رائے میں پیشہ ور گداگروں کو بجائے محتاج خانوں میں رکھنے کے محاذ جنگ پر بھیج دینا چاہئے۔

مسٹر راجگوپال چاری کی حالیہ تقریر پر تبصرہ کرتے ہوئے "دکن کرانیکل" تحریر کرتا ہے کہ:۔

"سیاست دانوں کے لئے بھی عمر کی قید ہونی چاہئے اور ایک ایسی حد مقرر کرلی چاہئے جبکہ وہ پبلک سرگرمیوں سے علحدہ ہو جائیں"

ہمارے خیال میں لیڈروں کے لئے عمر کی قید کو برطانوی ہند تک محدود رکھا جائے تو بہتر ہے کیونکہ حیدرآباد میں جب تک عہدہ داروں کی مدت ملازمت میں توسیع دی جاتی رہے گی یہاں کے لیڈر بھی اپنی مدت قیادت میں توسیع کے خواہشمند رہیں گے۔

معاصر موصوف نے آگے چل کر یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

"ایک خیال یہ ہے کہ ساٹھ سال کے بعد کسی شخص کو خواہ وہ کتنی ہی خوبیوں کا حامل رہا ہو اہم مسائل میں مداخلت کرنے کی اجازت نہ دینی چاہئے باور کیا جاتا ہے کہ اس عمر کے بعد دماغی قوت گھٹ جاتی ہے اور زبان بے لگام ہو جاتی ہے"

شکر ہے یہ حیدرآباد پر منطبق نہیں ہوتا یہاں کے لیڈروں کی زبان چالیس سال کی عمر کو پہونچنے سے پہلے ہی بے لگام ہو جاتی ہے۔

آج کل روس کی مسلمان خواتین سائنس داں، ادیب، سیاست داں، اور دینیات کے ماہر ہونے کے علاوہ زندگی کے ہر شعبہ میں مردوں کے دوش بدوش چل رہی ہیں۔ (اخبار صداقت)

اگر اسی طرح چلتے چلتے یہ حیدرآباد تک پہونچ گئیں تو غضب ہی ہو جائے گا۔ ترجمان ملت کو ابھی سے صدائے احتجاج بلند کرنی چاہئے۔

ہماری رائے اس مسئلہ سے متعلق یہ ہے کہ اگر انکم ٹیکس کو رواج دینا ہی حکومت کا مقصد ہے تو قبل اس کے کہ اس امر میں اقدام فرمایا جائے مالگزاری کے دارہ جات کا جو بار ملک کے غرباء پر عائد ہے اس کا ہلکا کیا جانا نہایت ضروری ہے۔ (مشیر دکن)

اور ہماری رائے اس مسئلہ سے متعلق یہ ہے کہ مالگزاری کے دارہ جات کو کم کرنے سے پہلے انکم ٹیکس نافذ کیا جائے کیونکہ اصل کا بار پہلے دولتمندوں پر عائد ہونا ضروری ہے۔

برلن ریڈیو نے اعلان کیا ہے کہ اسٹالن گراڈ کی لڑائی ختم ہو گئی۔ (رائٹر)

مگر اسٹالن گراڈ ختم نہیں ہوا۔

مسولینی نے اپنے کابینہ کے تین اراکین کو نکال دیا۔ ان میں سب سے اہم جگہ پہلے وزارت خارجہ پر اس کا داماد کونٹ کیانو تھا۔ (رائٹر)

ہمیں یقین نہیں آتا کہ مغربی ممالک میں بھی اقربا نوازی کا رواج ہے۔

روس میں ایک جماعتی حکومت ہے اور ہر قسم کی انفرادی آزادی کا خاتمہ کر دیا گیا ہے جو جماعت کے لئے اس جماعت کی نظروں میں مفید ہو (ملت کا واحد ترجمان)

قائد ملت اور ترجمان ملت بھی تو یہی چاہتے ہیں کہ حیدرآباد میں صرف ان کی جماعتی حکومت قائم ہو اور ہر ایسی فردی آزادی کا خاتمہ کر دیا جائے جو ان کے مفاد کے منافی ہو۔ انقلاب زندہ باد!

بیا ستیزہ

ایک نوجوان اینگلو انڈین خاتون نے زندہ دلی مجسٹریٹ کراچی کی عدالت میں سنسنی پیدا کر دی۔ وہ کمرۂ عدالت میں اپنے کتے کے ساتھ داخل ہوئی تھی جو اس وقت بھونکنے لگا جبکہ مجسٹریٹ مقدمہ کی سماعت کر رہا تھا۔ مجسٹریٹ نے اس اینگلو انڈین خاتون کو حکم دیا کہ وہ یا تو اپنے کتے کو باہر چھوڑ آئے یا مقدمہ کی سماعت ختم ہونے تک عدالت کے باہر انتظار کرے۔ اینگلو انڈین خاتون نے مجسٹریٹ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ تحقیر عدالت کے جرم میں اس خاتون کو دو سو روپے جرمانہ یا بصورت عدم ادائی جرمانہ ایک ماہ قید سادہ کی سزا دی گئی۔ ملزمہ نے جیل جانا پسند کیا اور جب اس کو ہندوستانی پولیس کمرۂ عدالت کے باہر لے جا رہی تھی تو اس خاتون نے ایک منظر پیش کر دیا اور اصرار کیا کہ اسے ہندوستانی کالا لوگ کے ساتھ نہیں بلکہ یوروپین عہدہ داروں کی حفاظت میں جیل لے جایا جائے۔

(ہندوستان ٹائمز)

ترکوں کا مذہب اور ان کی سیاست

بسلسلہ صفحہ ۸

کی روح بالکل روح اسلام کے مطابق ہے۔ بہر حال ذاتی طور پر میں خیال کرتا ہوں کہ تحریک اتحاد تورانیت سے متاثر نہیں ہے۔ بلکہ یقین ہے کہ اس کا اتحاد تورانیت ایک سیاسی جواب ہے اتحاد سلاف یا اتحاد المانویت یا اتحاد انگلوسیکسن کا۔

اگر مندرجہ بالا عبارت کا مفہوم اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو قومی نصب العین سے متعلق اسلام کے نقطۂ نظر کو سمجھنے میں دشواری نہ ہوگی۔ اگر قومیت کے معنی حب الوطنی اور ناموس وطن کے لئے جان تک قربان کرنے کے ہیں تو ایسی قومیت مسلمانوں کے ایمان کا ایک جزو ہے۔ اس قومیت کا اسلام سے اس وقت تصادم ہوتا ہے جب کہ وہ ایک سیاسی تصور بن جاتی ہے اور اتحاد انسانی کو بنیادی اصول ہونے کا دعویٰ کرتی ہے اور یہ مطالبہ کرتی ہے کہ اسلام شخصی عقیدے کے پس منظر میں چلا جائے اور قومی زندگی میں ایک حیات بخش عنصر کی حیثیت سے باقی نہ رہے۔ ترکی ایران مصر اور دیگر اسلامی ممالک میں قومیت کا مسئلہ پیدا ہی نہیں ہوسکتا۔ ان ممالک میں مسلمانوں کی زبردست اکثریت ہے اور یہاں کی اقلیتیں جیسے یہودی، عیسائی اور زرتشتی اسلامی قانون کی رو سے یا تو اہل کتاب ہیں یا اہل کتاب سے مشابہ ہیں۔ جن سے معاشی اور ازدواجی تعلقات قائم کرنا اسلامی قانون کے لحاظ سے بالکل جائز ہے۔ قومیت کا مسئلہ مسلمانوں کے لئے صرف ان ممالک میں پیدا ہوتا ہے جہاں وہ اقلیت میں ہیں اور جہاں قومیت کا یہ تقاضا ہو کہ وہ اپنی ہستی کو فنا کر دیں۔ جن ممالک میں مسلمان اکثریت میں ہیں، اسلام قومیت سے ہم آہنگی پیدا کر لیتا ہے کیونکہ یہاں اسلام اور قومیت عملاً ایک ہی چیز ہے جن ممالک میں مسلمان اقلیت میں ہیں مسلمانوں کی یہ کوشش کہ ایک تہذیبی وحدت کی حیثیت سے خود مختاری حاصل کی جائے حق بجانب ہوگی۔ دونوں صورتیں اسلام کے بالکل مطابق ہیں۔

سطور بالا میں دنیائے اسلام کی صحیح صورت حال کو اجمالی طور پر پیش کر دیا گیا ہے۔ اگر اس کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو یہ امر واضح ہو جائے گا کہ وحدت اسلامی کے بنیادی اصول کو کوئی بیرونی یا اندرونی قوت متزلزل نہیں کر سکتی۔ وحدت اسلامی جیسا کہ میں نے پہلے توضیح کی ہے مشتمل ہے اسلام کے دو بنیادی عقائد پر جن میں پانچ مشہور ارکان شریعت کا اضافہ کر دینا چاہیئے۔ وحدت اسلامی کے یہ اساسی عناصر جو رسول کریم کے زمانہ سے اب تک قائم ہیں۔ گو حال میں بہائیوں نے ایران میں اور قادیانیوں نے ہندوستان میں ان عناصر میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کی۔ یہی وحدت دنیائے اسلام میں یکساں روحانی فضا پیدا کرنے کی ضامن ہے۔ یہی وحدت اسلامی ریاستوں میں سیاسی اتحاد قائم کرنے میں سہولت پیدا کرتی ہے خواہ یہ اتحاد عالمگیر ریاست

اسلامی کی صورت اختیار کرے یا اسلامی ریاستوں کی ایک جمعیت کی صورت یا متعدد آزاد ریاستوں کی صورت جن کے معاہدات اور میثاقات خالص معاشی و سیاسی مصلحتوں پر مبنی ہوں گے۔ اس طرح اس سیدھے سادے مذہب کی تعقلی حیثیت ترکیبی رفتار زمانہ سے ایک تعلق رکھتی ہے۔ اس تعلق کی گہرائی قرآن کی چند آیتوں کی روشنی میں سمجھ میں آسکتی ہے جس کی تشریح پیش نظر مقصد سے ہٹے بغیر بیان ممکن نہیں۔ سیاسی نقطۂ نظر سے وحدت اسلامی اس وقت تک متزلزل ہو جاتی ہے جب کہ اسلامی ریاستیں ایک دوسرے سے جنگ کرتی ہیں اور مذہبی نقطۂ نظر اس وقت متزلزل ہوتی ہے جب کہ مسلمان بنیادی عقائد یا ارکان شریعت کے خلاف بغاوت کرتے ہیں۔ اس ابدی وحدت کی خاطر اسلام اپنے دائرے میں کسی باغی جماعت کو روا نہیں رکھتا۔ اسلام کے دائرے سے باہر ایسی جماعت کے ساتھ دوسرے مذاہب کے پیروؤں کی طرح رواداری برتی جا سکتی ہے۔ میرے خیال میں اسلام اس وقت ایک عبوری دور سے گزر رہا ہے۔ وہ سیاسی وحدت کی ایک صورت سے کسی دوسری صورت کی طرف جو ابھی متعین نہیں ہوئی ہے اقدام کر رہا ہے۔ دنیائے جدید میں حالات اس سرعت کے ساتھ بدل رہے ہیں کہ مستقبل کے متعلق پیشین گوئی تقریباً ناممکن ہے۔ اگر دنیائے اسلام سیاسی وحدت حاصل کر لے اگر ایسا ممکن ہو تو غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں کا رویہ کیا ہوگا؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب صرف تاریخ ہی دے سکتی ہے۔ میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جغرافی حیثیت سے یورپ اور ایشیا کے درمیان واقع ہونے کے لحاظ سے اور زندگی کے مشرقی و مغربی نصب العین کے ایک امتزاج کی حیثیت سے اسلام کو مشرق و مغرب کے مابین ایک طرح کا نقطۂ اتصال بننا چاہیئے۔ لیکن اگر یورپ کی ہٹ دھرمی اسلام کو نا قابل مفاہمت بنا دے تو کیا ہوگا؟ یورپ کے روزمرہ حالات جو صورت اختیار کر رہے ہیں ان کا تقاضا یہ ہے کہ یورپ اپنے اس طرز عمل کو کلیۃً بدل دے جو اس نے اسلام کے متعلق اختیار کیا ہے۔ ہم صرف یہ توقع کر سکتے ہیں کہ سیاسی بصیرت پر معاشی لوٹ اور شہنشاہی ہوس کا پردہ نہیں پڑے گا۔ جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے میں یقین کامل کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مسلمانان ہند کسی ایسی سیاسی جمہوریت کا شکار نہیں بنیں گے جو ان کی تہذیبی وحدت کا خاتمہ کر دے گی۔ اگر ان کی تہذیبی وحدت محفوظ ہو جائے تو ہم اعتماد کر سکتے ہیں کہ وہ مذہب اور حب الوطنی میں ہم آہنگی پیدا کر لیں گے۔

اخبار مملکت

کے ملنے کے پتے:-

۱۔ احمدیہ پریس چارمینار۔
۲۔ مکتبۂ ابراہیمیہ عابد روڈ۔
۳۔ دکن بک ڈپو۔ عابد روڈ۔
۴۔ سید مختار محمد ایجنٹ اخبارات متصل چار مینار حیدرآباد۔

فرقہ وارانہ ہم آہنگی

بشنبہ گذشتہ کو بتاریخ ۲۰ فروری ۱۹۴۳ء حیدرآباد فیلوشپ کی جانب سے جو کمیٹی فرقہ وارانہ تعلقات کی جانچ اور ان کے ارتقاء سے متعلق منعقد ہوئی تھی اس کے اختتامی جلسہ میں جو تقریر مولوی میر ضیاء الحق صاحب داعی جلسہ نے کی اس کا ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔

فرقہ وارانہ تعلقات کا مسئلہ پیچیدہ اور اس کا وابستہ حالات سے معمور ہے لیکن دنیا میں کوئی گتھی ایسی نہیں ہے جو اعتبار اور ہاہر اور ناخنوں کی مدد سے سلجھائی نہ جا سکے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسے سیاسی اور معاشی مسائل جو دو جماعتوں سے متعلق ہوں ان کو فرقہ وارانہ مسائل سے کیوں موسوم کیا جاتا ہے۔ لفظ (COMMUNAL) جو لغتاً بمعنی تعلق بہ جماعت یا عوام آتا ہے بسبب کثرت استعمال اس قدر خیرمقدم اور مبتذل ہو گیا ہے کہ اب انگریزی لغات میں ان کی تعریف ہندو مسلم اختلافات کی جاتی ہے اس گروہ لفظ کا استعمال اس قدر وسیع ہو گیا ہے کہ وہ زندگی کے ہر شعبہ پر محیط ہے۔ جب تک کہ ہم اپنے معاشی اور سیاسی مسائل کو ہندو مسلم مسائل سمجھتے اور اس سے تعبیر کرتے رہیں گے یہ تنازعات اور کشمکش جاری رہیں گے۔ کوشش کرو کہ سیاسی بول چال میں ہندو مسلم الفاظ کا استعمال ممنوع و متروک سمجھا جائے۔

حیدرآباد فیلوشپ غالباً اس ملک میں واحد ادارہ ہے جو کوشاں ہے کہ ایسے مسائل سے اخوت اور محبت کے جذبات کے تحت نمٹا جائے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ مسلمان جس نے ہندوستان کو اپنا وطن بنایا ہے اور جس کی تعریف ہندوستان سے باہر کسی دوسرے اسلامی ملک پر نہیں پڑتی وہ ایسا ہی ہندو ہے جیسے کہ ہندو مذہب کو ماننے والا بہ استثناء اتباع عقائد اور اس کے علی الرغم ہر انسان اگر وہ موحد اور تابع و فرماں بردار قوانین الٰہیہ ہے تو وہ بھی ایک نوع مسلم ہے۔ مسلمان غالباً اس سے انکار نہیں کریں گے کہ ہندو طبعاً دست دراز اور مناقشہ پسند نہیں ہوتا۔ تاریخ کوئی مثال پیش نہیں کرتی کہ ہندوؤں نے ہندوستان سے باہر کہیں فاتحانہ ملک گیری کے لئے قدم اٹھایا ہو۔ بظاہر ہندوؤں کی یہ رواداری اور آشتی آمیز مسلک سلاطین مغلیہ کے عہد میں ان سے متعدد علیہ ہونے اور بڑے ذمہ دارانہ خدمات پر فائز ہونے کی وجہ تھی۔ یہی روایات اب تک مسلم ریاستوں بالخصوص اس سلطنت ابد مدت میں جاری و ساری ہیں۔ لیکن جاننا چاہیئے کہ تنازعات کا موجب سبب اقتدار اور انتظامی خدمات کی تقسیم ہوا ہے لیکن ان کی تقسیم کسی معاہدۂ تناسب کے اساس پر نہ ہو۔ تو ایسے معاہدہ کو استمرار حاصل نہیں ہو سکتا۔ اقتدار ہمیشہ باہمی آویزشوں اور تصادم کا موجب بنتے رہیں گے۔ لہٰذا یہ بات بعید الفہم ہے کہ اگر اکثریتوں کے دل و دماغ اور ضمیر تک صحیح اور مناسب طریقہ پر سیاسی اقتدار وہ اقلیتوں کے ساتھ کوئی مستقبل کا تعاون کریں گے

باقی صفحہ ۱۱ پر

دیہی مسلمانوں کی جہالت اور افلاس کے بنیادی اسباب

(۲)

دیہی مسلمانوں کے اس بے پناہ افلاس اور ان کی اس درجہ خستہ حالی و بے روزگاری کے وجوہ اگر تلاش کئے جائیں تو معلوم ہوگا کہ وہ حسب ذیل اسباب کا نتیجہ ہیں۔

۱۔ مسلمانوں کے پاس زراعت کے لئے زمین نہیں ہے۔
۲۔ دیگر تمام پیشوں کے دروازے ان پر بند ہیں۔
۳۔ دیہی علاقوں میں ان کی آبادی تھوڑی تھوڑی منتشر ہے
۴۔ حکومت ان کی مالی حالت سے غافل اور لاپرواہ ہے
۵۔ حیدرآباد کے مسلم معاشرہ میں دولت و اقتدار کی تقسیم انتہائی غیر منصفانہ طریقہ پر عمل میں آئی ہے۔

ذیل میں ہم کسی قدر تفصیل سے ان اسباب پر علحدہ علحدہ روشنی ڈالتے ہیں۔

زرعی اراضیات کی غیر موجودگی

دیہی علاقوں میں معیشت کا واحد ذریعہ زراعت ہے چنانچہ دیہی آبادی کے جن طبقوں کے پاس زراعت کے لئے زمین موجود ہے وہ خوشحال اور آسودہ ہیں اور جن طبقوں کے پاس زمین نہیں ہے یا تھوڑی مقدار میں ہے وہ مفلس و نادار ہیں۔ اور ہمیشہ بے روزگاری میں مبتلا رہتے ہیں۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات کے مطالعہ سے واضح ہوا ہوگا کہ مسلمانوں کے پاس یا تو سرے سے زمین ہی نہیں ہے یا اس قدر تھوڑی مقدار میں ہے کہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ چنانچہ مواضعات زیر بحث میں مسلمانوں کی ۹۱ فیصدی آبادی زمین کی ملکیت سے کلیتاً محروم تھی۔ صرف ۹ فیصدی آبادی کے پاس تھوڑی سی زمین تھی۔ جن ۹ خاندانوں کے تصرف میں یہ زمین تھی ان کے منجملہ صرف ایک خاندان کو حقیقتاً زراعت پیشہ خاندان کہا جاسکتا تھا۔ کیونکہ اس کے پاس کم از کم ۲۰ ایکر خشکی اور ۳ ایکر تری زمین کا ایک معاشی قطعہ موجود تھا۔ بقیہ خاندانوں کے پاس چند ایکر سے زیادہ زمین نہ تھی اور ان کے اکثر و بیشتر ارکین مزدوری یا ملازمت کے ذریعہ اپنے لئے قوت لایموت حاصل کرنے پر مجبور تھے۔

زرعی اراضیات کی موجودگی کے باعث مسلمانوں کی دیہی آبادی حکومت کی اس قسم کی امداد سے بھی محروم ہوگئی ہے جو عام طور پر تقاوی وغیرہ کی شکل میں زراعت پیشہ طبقہ کو دی جاتی ہے۔ چنانچہ اس کی ایک عجیب مثال خود زیر بحث مواضعات کے فراہم شدہ مواد سے بھی مل سکتی ہے۔ ۱۳۴۰ف میں ان مواضعات کی زراعت پیشہ آبادی کو جو تقاوی دی گئی تھی۔ اس کی مجموعی مقدار تین ہزار روپیہ کے قریب تھی۔ اس کے منجملہ مسلمانوں کے صرف ایک خاندان کو ۳۰ روپیہ کی تقاوی ملی تھی۔ بقیہ خاندان اس لئے تقاوی حاصل نہ کر سکے تھے کہ یا تو ان کے پاس زمین نہ تھی یا اتنی تھوڑی مقدار میں تھی کہ قواعد کے تحت ان کو تقاوی نہیں دی جاسکتی تھی۔ یہی حالت ان دیگر مراعات کی بھی ہے جو بالعموم زراعت پیشہ طبقہ کو ملتی مالگزاری وغیرہ کی شکل میں ہر سال حکومت کی جانب سے عطا کی جاتی ہیں۔ سال زیر بحث میں ان مواضعات کی زرعی اراضیات پر فی روپیہ ۲ کے حساب سے جو معافی دی گئی تھی۔ اس سے ان مواضعات کے کاشتکاروں کو دس ہزار روپیوں کا فائدہ ہوا تھا۔ کیونکہ ان کے پاس صرف ۹ ایکڑ ۱ گنٹہ تری اراضی تھی۔ زراعتی اراضیات کی غیر موجودگی کے باعث مسلمان امداد باہمی کی تحریک سے بھی کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ کیونکہ ہمارے ملک میں یہ تحریک صرف زراعت پیشہ طبقوں کے لئے مخصوص ہے اور جن طبقوں کے پاس زمین نہیں ہے وہ اس سے قطعاً استفادہ نہیں کرسکتے۔ بہر نوع اراضیات کی غیر موجودگی کی وجہ سے مسلمان نہ صرف دیہی علاقہ کے ایک مستقل اور واحد ذریعہ معاش ہی سے محروم ہوگئے ہیں۔ بلکہ حکومت کی اس امداد سے بھی وہ کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ جو اس آبادی کے دیگر طبقوں کو حاصل ہے۔ اور جس سے ان کی اقتصادی حالت کو بہت کچھ تقویت پہنچ جاتی ہے۔

دیگر پیشوں میں عدم گنجائش

زراعت کے علاوہ دوسرے اہم پیشے جن سے عام طور پر دیہی علاقوں میں غیر زرعی آبادی کی پرورش ہوتی ہے اور پارچہ بافی، کمبل بافی، سناری، آہنگری، خیاطی، زرگری وغیرہ ہیں۔ لیکن یہ پیشے چونکہ موروثی ہیں اور دیہی علاقوں میں تمام موروثی پیشے خاص خاص طبقوں کے لئے وقف ہوتے ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں پر ان کے دروازے بھی بند ہیں۔ چنانچہ مواضعات زیر بحث میں ۹۵ خاندانوں کے منجملہ ایک خاندان بھی ان پیشوں میں موجود نہ تھا۔ دوسرے پیشے جو نسبتاً کسیقدر زیادہ منفعت بخش ہیں مثلاً تجارت اور ساہوکاری وغیرہ ان کے لئے تو سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو مسلمانوں کے پاس غیر موجود ہے پھر ان پر پٹیل پٹواریوں کی منشیوں اور اداڑیوں کا قبضہ ہے اور کوئی غیر شخص ان میں داخل ہوکر کامیاب نہیں ہوسکتا۔ سرکاری ملازمتیں حاصل کرنے کا مسلمانوں کو اس لئے موقع نہیں کہ دیہی نظم و نسق کی تمام چھوٹی بڑی خدمتیں موروثی ہیں اور ان پر یا تو اونچی ذات کے ہندوؤں کا قبضہ ہے یا پست اقوام کا۔ اس کے بعد کے دیگر جو پیشے دیہی علاقوں میں مسلمانوں کے لئے کھلے رہتے ہیں وہ یا تو زرعی مزدوری ہے یا پٹیل پٹواریوں اور ساہوکاروں کے پاس خانگی ملازمت۔ زرعی مزدوری کے لئے ان کو پست اقوام سے مسابقت کرنا پڑتا ہے اور پست اقوام کے مزدور زرعی کاروبار میں بہت زیادہ ماہر ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں پر ان کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اور ہر کاشتکار اپنے کھیت پر پہلے پست اقوام کے مزدوروں کو کام کرنے کا موقع دیتا ہے اور مسلمان مزدوروں سے صرف اس وقت وہ کام لیتا ہے جب اس کو پست اقوام کے مزدور یا تو فراہم نہ ہوں یا بہت زیادہ اجرت طلب کر رہے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ زیر بحث مواضعات میں صرف ۸ فیصدی مسلم آبادی کا ذریعہ معاش زرعی مزدوری کا ہے۔

اب رہا پٹیل پٹواریوں اور ساہوکاروں کے پاس خانگی ملازمت کا ذریعہ تو اس میں شک نہیں کہ اس وقت ان کی آبادی کے ایک بہت بڑے حصہ کا ذریعہ معاش یہی ہے لیکن ایک طرف تو یہ ذریعہ کچھ اتنا وسیع نہیں کہ پوری آبادی کی اس میں کھپت ہوسکے اور دوسری طرف اس پیشہ میں جو اجرت ان کو ملتی ہے وہ اس قدر کم ہوتی ہے کہ برسر ملازمت خاندانوں کی بمشکل اس سے بسر ہوتی ہے نتیجہ یہ ہے کہ ان خاندانوں کی حالت بھی بیروزگار خاندانوں کی کچھ زیادہ بہتر نہیں ہوتی۔ اور وہ بھی ہمیشہ فاقہ کشی میں مبتلا رہتے ہیں۔

مذکورہ بالا حالات سے ظاہر ہے کہ دیہی علاقوں میں اس وقت کوئی ایسا پیشہ موجود نہیں ہے جس کے دروازے مسلمانوں کے لئے کھلے ہوں یا کوئی اور ذریعہ مسلمانوں کے لئے فراہمی روزگار کا سبب بن سکے اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کی آبادی کا ایک بہت بڑا حصہ یا تو دائمی طور پر بیروزگاری میں مبتلا رہ کر فاقہ کشی کرتا ہے یا بھیک و خیرات کے ذریعہ اپنی زندگی بسر کرتا ہے۔

انتشار آبادی

دیہی مسلمانوں کی اخلاقی و تمدنی پستی بڑی حد تک تو اس اقتصادی پستی کا نتیجہ ہے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ کیونکہ مفلسی اور بیروزگاری میں کسی قوم کو بھی اخلاقی و تمدنی حالت کا درست رکھنا ناممکن ہے لیکن ان کی اخلاقی اور تمدنی زندگی کے انہدام میں بڑی حد تک انتشار آبادی کو بھی دخل ہے۔ چنانچہ ذیل میں ہم کسی قدر تفصیل سے اس مسئلہ پر بھی علحدہ روشنی ڈالتے ہیں۔

جیسا کہ ابتدائی صفحات میں بیان کیا گیا ہے۔ دیہی علاقوں میں مسلمانوں کی آبادی (۱۰) فیصدی سے زیادہ نہیں ہے اور یہ آبادی ملک کے بیس بائیس ہزار دیہاتوں میں اس طرح منتشر ہے کہ کسی موضع میں بھی ان کے چند مکانات سے زیادہ نہیں ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ

(۱) ایک طرف تو دیہی آبادی کے بے پناہ سمندر میں وہ ایک قطرہ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ دوسروں کی نظروں میں ذلیل و حقیر رہتے ہیں۔

(۲) دوسری طرف وہ جماعتی زندگی کی نعمتوں سے بالکل محروم ہوگئے ہیں اور ان کو ہمیشہ

قطعاً حاصل نہیں ہے کہ اپنی جماعتی زندگی کی نشوونما کر سکیں۔ یہ ایک مسلمہ بات ہے کہ کسی قوم کی اخلاقی و تمدنی زندگی کی اصلاح و ترقی صرف اس وقت ممکن ہے جب کہ اس کو اپنی جماعتی زندگی کے سازگار فضا میں نشوونما پانے کے مواقع حاصل ہوں۔ اگر کسی قوم یا جماعت کو اس طرح منتشر کر دیا جائے کہ کسی ایک مقام پر اس کے دو ایک خاندان سے زیادہ آباد نہ ہوں۔ اور یہ مقام بھی ایسے ہوں کہ جن کا ماحول ان کے لئے بالکل اجنبی اور غیر سازگار ہو تو ظاہر ہے کہ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ان خاندانوں کی اخلاقی و معاشی زندگی کی نشوونما بالکل رک جائے گی۔ اور تھوڑے عرصہ میں وہ بالکل تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ یہی نہیں بلکہ قلت اور کمی کی وجہ سے ان میں مستقل طور پر احساس کمتری بھی پیدا ہو جائے گا۔ جس کی وجہ سے وہ رفتہ رفتہ ذلت و بے عزتی کی زندگی کے عادی ہو جائیں گے۔ اور ان کو اپنی حالت کا کوئی احساس باقی نہ رہے گا۔ انتشار آبادی کی وجہ سے دیہی علاقوں کے مسلمان اسی قوم کی ذہنی پستی میں اس وقت مبتلا ہیں۔ احساس کمتری نے ایک طرف تو اس آبادی کے تمام قوائے عملی کو معطل اور بے کار کر دیا ہے اور دوسری طرف اس کو ذلت اور بے عزتی کی زندگی کا اتنا عادی بنا دیا ہے کہ اب اپنے طور پر ان میں ابھرنے اور آگے بڑھنے کی کوئی صلاحیت باقی نہیں رہی ہے۔

انتشار آبادی کا ایک دوسرا اثر یہ ہے کہ کسی دوسری جماعت کے لئے بھی اس آبادی کی اصلاح و سدھار کا کام بہت مشکل ہو گیا ہے۔ کیونکہ موجودہ حالات میں اگر کوئی جماعت اس کی اصلاح و سدھار کا کام شروع کرے تو اس کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ ملک کے بیس بائیس ہزار دیہاتوں تک اپنی کوشش کو وسیع کر سکے۔ اس غرض کے لئے ایک طرف تو بہت بڑے سرمایہ کی ضرورت لاحق ہوگی اور دوسری جانب قومی کارکنوں اور کارندوں کی ایک بہت بڑی تعداد درکار ہوگی اور بفرض محال اگر یہ دونوں چیزیں فراہم بھی ہو جائیں اور ایک مرتبہ اس کام کی ابتدا بھی کر دی جائے۔ تو پوری ہمواری اور تواتر کے ساتھ اس کام کو اپنا جاری رکھنا بہت دشوار ہوگا۔ کیونکہ اتنے بڑے کام کی نگرانی ایک حکومت تو کر سکتی ہے لیکن کسی پبلک ادارہ کے بس کی بات نہیں۔ علاوہ ازیں ہر موضع میں مسلمانوں کے چار یا پانچ خاندانوں سے زیادہ آباد نہیں ہیں۔ اور صرف چار یا پانچ خاندانوں کے لئے ملک کو بیس بائیس ہزار دیہاتوں تک اگر کوئی جماعت اپنی تنظیم کو وسیع کرے تو یہ قومی وسائل اور قومی استعداد کو ضائع کرنا ہوگا۔ مختصر یہ کہ انتشار آبادی نے جہاں ایک طرف مسلمانوں کو ایسی حالت میں مبتلا کر دیا ہے کہ وہ اپنے طور پر کوئی ترقی نہیں کر سکتے۔ وہاں کسی اور کے لئے بھی اس کا موقع نہیں ہے۔ کہ وہ ان کی اصلاح و سدھار کے لئے کوئی کام کر سکے۔ اس عجیب و غریب صورت حال کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کی تمدنی و اخلاقی و مالی حالت دن بدن خراب ہوتی جا رہی ہے اور ان کی اصلاح و ترقی کی تمام راہیں ایک لحاظ سے مسدود نظر آتی ہیں۔

دیہی مسلمانوں کی اس درجہ انتشاری و جماعتی تباہی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ملک کی حکومت نے ان کی جماعت پر کبھی توجہ نہیں کی۔ اور جن اسباب میں وہ گرفتار ہیں ان کو رفع کرنے کی حکومت کی جانب سے کبھی کوشش نہیں کی گئی۔

حکومت بھی ہمیشہ سے اس غلط فہمی کا شکار رہی کہ حیدرآباد کے مسلمان بہت زیادہ دولتمند اور خوشحال ہیں۔ اور [illegible] کم و بیش ان کے تمام خاندان یا تو سرکاری عہدوں پر مامور ہیں یا پھر جاگیرات اور مناصب و معاش کے مالک ہیں۔ اس غلط تصور کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی اس دو ثلث آبادی کی بھوک برہنگی اور جہالت کا حکومت کو کبھی احساس نہیں ہوا۔ علاوہ ازیں حیدرآباد کی حکومت نے ملک کی فاقہ کش بیروزگار اور جاہل آبادی کو ان کے مصائب سے نجات دلانے کی اس وقت تک کوئی منظم کوشش بھی نہیں کی کہ اسی طرح کم از کم اس آبادی کا مسئلہ حل ہو سکے۔ گذشتہ چند سالوں سے حکومت دیہی آبادی کی اصلاح و ترقی کی جتنی کوششیں بھی کر رہی ہے وہ زیادہ سے زیادہ زراعت پیشہ طبقہ تک محدود ہیں دیہی علاقہ کی غیر زرعی آبادی کی فلاح و بہبود کے لئے حکومت نے اس وقت تک بالراست یا بالواسطہ طور پر کچھ بھی نہیں کیا۔

وسائل دولت کی غیر مساوی تقسیم

مسلم عوام کی موجودہ پستی کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ بد قسمتی سے حیدرآباد کے مسلم معاشرہ کی تشکیل کچھ اس نہج پر عمل میں آئی ہے کہ پوری دولت اور پورا اقتدار صرف چند مسلم خاندانوں میں اکٹھا ہو گیا ہے۔ اور بقیہ مسلم آبادی کے حصہ میں مفلسی بیروزگاری اور محتاجی کی زندگی آئی ہے۔ جن لوگوں نے دیہی علاقوں میں مسلم عوام کی بھوک برہنگی اور بیکسی کا مشاہدہ کیا ہے اور پھر حیدرآباد کے صاحب دولت اور صاحب اقتدار مسلم خاندانوں کی زرق برق زندگی کو بھی دیکھا ہے وہ اس فرق کو اچھی طرح محسوس کر سکتے ہیں۔ کہ ایک طرف تو یہاں کی مسلم آبادی کی نہایت ہی قلیل جماعت امیرانہ زندگی بسر کر رہی ہے۔ اور دوسری طرف اس کی ایک بہت بڑی اکثریت اس بری طرح فاقہ کشی میں مبتلا ہے کہ اس کے لئے روح و جسم کے رشتہ کو قائم رکھنا بھی دشوار ہو رہا ہے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ افسوسناک جو چیز ہے وہ ان چند منتخب خاندانوں کی یہ روش ہے جن کے پاس اس وقت دولت و اقتدار کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ فاقہ کش اور نیم برہنہ مسلم عوام کی حالت کا احساس اور ان کی اصلاح و ترقی کا خیال تو درکنار وہ ہمیشہ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ دولت و اقتدار کا دروازہ مسلم عوام پر یوں ہی بند رہے اور مسلم عوام ہمیشہ اسی حالت میں مبتلا رہیں تاکہ ثروت اور وجاہت کا جو اجارہ ان کو کسی نہ کسی طرح حاصل ہو گیا ہے وہ اپنی جگہ قائم و دائم رہے۔ چنانچہ جن لوگوں نے صوبوں اور جاگیرداروں کے علاقوں میں مسلم عوام کی حالت کو دیکھا ہے وہ اس چیز سے اچھی طرح واقف ہیں۔ کہ مسلم عوام وہاں کس حالت میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اسی طرح جن لوگوں کو حیدرآباد کے موروثی عہدہ داروں کا تھوڑا سا بھی تجربہ ہے وہ اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ جب کسی غریب اور بے وسیلہ مسلمان کا بچہ تعلیمی لیاقت اور فطری صلاحیتوں کے باوجود کسی عہدہ دار کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ تو اس کو کیا جواب دیا جاتا ہے۔

دولت مند اور با اقتدار مسلم خاندانوں کے اس طرز عمل کی وجہ سے مسلم عوام کی زبوں حالی میں اور زیادہ اضافہ ہو رہا ہے اور ان کی اصلاح و ترقی کے راستے اور زیادہ مسدود ہو گئے ہیں۔ گذشتہ کئی سو سالوں سے جن مسلم خاندانوں کے ہاتھ میں حیدرآباد کا دولت و اقتدار رہا ہے اگر وہ مسلم عوام کی حالت پر ذرہ بھی توجہ کرتے اور ان کو افلاس جہالت اور بیروزگاری کی مصیبت سے نجات دلانے کی مخلصانہ کوشش کرتے تو شاید سرزمین حیدرآباد کا ایک بھی مسلمان ننگا اور بھوکا نظر نہ آتا اور یہاں کی مسلم قوم اس وقت ترقی کے آخری زینہ پر کھڑی ہوتی۔

فرقہ وارانہ ہم آہنگی

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۷)

علم چند [illegible] تعداد کی بنیاد پر تقسیم ثروت و اقتدار کے موجودہ رجحانات اور انداز نظر بدل دیا جائے تو یہ حریفانہ کشمکش بڑی حد تک معدوم ہو جائے۔ اگر ہم ہندوستان کو ایک وسیع باغ یا سبزہ زار سے تعبیر کریں تو ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ اس کے نوعمر پودوں کو بھی حسب ضرورت غیر محدود کافی کھاد اور کشادہ زمین کے تمتعات سے محروم نہ ہونے دیا جائے۔ ورنہ ان کا نمو اس طرح ٹھٹھر جائے گا جس طرح ایک بڑے جھاڑ کے تحت چھوٹے جھاڑ ٹھٹھر جاتے ہیں۔ اور وہ ایک سبزہ خوابیدہ کی حیثیت اختیار کر لیں گے جو باغ کے عام مفاد کے منافی ہے۔ جہاں تک غور کیا جاتا ہے موجودہ مسائل جو ہمارے لیڈروں کی ہمدردیں اپیلیں [illegible] وہ بیشتر معاشی ہیں اور ان کا حل آسان ہے بشرطیکہ وہ قانون عددی کے اسپرٹ کی انتقام کے تحت معدودی مساوات کو مدنظر رکھکر طے کی جائیں ہمارے مباحث میں جو اصل بحث پیش نظر رکھنا چاہئے وہ یہ ہے کہ طرح طرح کے مرغوب مع اصطلاحی کلیات کا وضع کرنا اور مسائل کے حل میں ان کے استعمال پر اصرار ایک سیاسی تعطل اور حوصلہ شکن مایوسی پیدا ہوگا اس سے بچنا چاہیئے

[illegible] ہزاروں برس [illegible] تبدیل ہوتے رہے ہیں اگر نیک نیتی سے راہ تلاش کیا جائے۔ تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ کیوں منزل مقصود تک پہنچنے میں ہمارے مساعی بار آور نہ ہوں۔ فقط

ریڈیو کے ذریعہ تعلیم

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۳)

میں ۱۷۸۹ء کا انقلاب اور تاریخ ہند میں ۱۸۵۷ء کا غدر، مشہور تاریخی ہستیوں کے سوانح اور کارنامے بیان کر کے طلبہ میں تاریخ سے دلچسپی پیدا کی جاسکتی ہے۔ تاریخی ڈراموں کے نشر کا انتظام کیا جائے تو طلباء کے لئے تاریخی واقعات کو زندہ بنانے میں مزید مدد ملے گی۔

غیر زبانوں کی تعلیم کے لئے لاسلکی سب سے زیادہ مفید ہے کسی زبان کی تعلیم اہل زبان ہی عمدگی سے دے سکتا ہے۔ ہندوستان کے نظام تعلیم میں انگریزی بڑی اہمیت حاصل رہی ہے لیکن باوجود اس کے عام طور پر انگریزی میں ہندوستانیوں کا تلفظ اور لہجہ اچھا نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ بہت کم مدارس میں انگریزی پڑھانے کے لئے اہل زبان مقرر ہیں۔ ہندوستان میں فارسی اور عربی کی تدریس انگریزی کی تدریس سے بھی بدتر ہے یہ زبانیں بطور مردہ زبانوں کے پڑھائی جاتی ہیں حالانکہ یہ زندہ زبانیں ہیں اور اس لحاظ سے ان کی تدریس روزمرہ کی بول چال کے مطابق ہونی چاہیئے۔ ہمارے مدارس میں ملک کی زبانوں یعنی اردو، تلنگی، مرہٹی اور کنڑی کی تعلیم اہل زبان مدرسین کے تفویض کی جاسکتی ہے اور کی جاتی بھی ہے لیکن انگریزی، فارسی اور عربی کے لئے ہر مدرسہ میں اہل زبان مدرسین کو مہیا کرنا ممکن نہیں ہے انگلستان میں بی۔بی۔سی کے پروگرام کے تحت فرانسیسی پر جو اسباق دئے جاتے ہیں ان کی وجہ سے انگریزی مدارس میں فرانسیسی کی تعلیم میں نمایاں اصلاح ہوئی ہے۔ ان اسباق کے نشر کرنے کے لئے ہمیشہ فرانسیسیوں ہی کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ اگر اسی طرح ہندوستان میں مدارس کے لئے انگریزی، فارسی اور عربی کے اسباق اہل زبان نشر کریں تو طلبہ کو نہ صرف اپنا تلفظ اور لہجہ درست کرنے بلکہ روزمرہ کے محاوروں کے سیکھنے میں بھی بڑی مدد ملے گی۔ مدرسین کو بھی ان اسباق سے فائدہ پہنچیگا جس سے ان کی تدریس میں اصلاح ہوگی۔ اگر جنگ نہ چھڑ جاتی تو ہندوستان میں ریڈیو کے ذریعہ زبانوں کی تعلیم عام ہو جاتی لیکن اب بھی مختلف زبانوں میں جو خبریں اور تقریریں نشر کی جاتی ہیں ان کو سن کر طلبہ نہ صرف اپنی معلومات میں اضافہ کر سکتے ہیں بلکہ جس زبان میں تقریریں یا خبریں نشر کی جارہی ہیں اس میں تلفظ اور لہجہ کی اصلاح کے ساتھ اپنی استعداد کو بڑھا سکتے ہیں۔

قصے، مکالمے اور مشہور نظمیں ریڈیو پر طلبہ کو سنا کر ان میں ادبی ذوق پیدا کیا جاسکتا ہے۔ زبان کی تعلیم کے مقاصد میں سے کلچرل یعنی ثقافتی مقصد بھی شامل ہے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے یہ ضروری ہے کہ جس ملک کی زبان سکھائی جارہی ہے اس ملک کی تاریخ اور سماجی زندگی سے طلبہ کو دلچسپی دلائی جائے۔ اور ان میں ایسی دلچسپی لاسلکی تقریروں کے ذریعہ سے بآسانی پیدا کی جاسکتی ہے۔

دینیات میں مشہور بزرگان دین کے احوال کا تذکرہ، مذہبی تقاریب کے متعلق تقاریر اور کلام پاک کی تلاوت کے نشر سے بھی دینیات کی تعلیم میں لاسلکی سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

تعلیم کا ایک مقصد یہ ہے کہ طلبہ کو مفید شہری بنایا جائے۔ مدارس میں شہریت کی عملی تربیت عموماً زائد از نصاب مصروفیات کے ذریعہ سے دی جاتی ہے لیکن شہریت کے اہم اصول سے بھی طلبہ کو واقف کرانے کی ضرورت ہے اور یہ ضرورت ریڈیو کے ذریعہ شہریت کے اصول پر موزوں تقریریں نشر کرا کے پوری کی جاسکتی ہے۔

زمانہ حال کے ماہرین تعلیم تعلیم کو حقیقی زندگی سے متعلق کرنے کی ضرورت پر بہت زور دیتے ہیں۔ اس ارتباط کے پیدا کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ طلبہ کو رفتار زمانہ سے وقتاً فوقتاً واقف کرایا جائے۔ مختلف نشرگاہوں سے جو خبریں نشر کی جاتی ہیں وہ جامعاتی منزل یا جماعت اعلیٰ ثانوی کے طلبہ کے لئے موزوں ہو سکتی ہیں۔ لیکن اس سے نیچے کی جماعتوں کے طلبہ ان کو مشکل سے سمجھ سکتے ہیں۔ اسی بناء پر انگلستان اور بعض دوسرے مغربی ممالک میں طلبہ کے لئے خبروں کا خاص پروگرام نشر کیا جاتا ہے۔

ہندوستان میں لڑکیوں کی تعلیم کا مسئلہ بہت مشکل ہے۔ عام طور پر مدارس نسوان میں قابل معلمات کی کمی ہے اس کے ماسوا رسم و رواج خصوصاً پردہ کی وجہ سے ان کی تعلیم زیادہ تر کتابی ہوتی ہے اور حقیقی معنوں میں لڑکیوں کو تعلیم کی وہ سہولتیں حاصل نہیں ہیں جو لڑکوں کو حاصل ہیں۔ مدارس نسوان کی تعلیم میں اس وقت جو خامیاں ہیں وہ تعلیمی نشریات سے ایک حد تک دور کی جاسکتی ہیں۔ یوں تو تعلیمی نشریات کے عام پروگرام سے لڑکوں کے ساتھ لڑکیاں بھی مستفید ہوسکتی ہیں لیکن کبھی کبھی لڑکیوں کی دلچسپیوں اور ضروریات کے مطابق ان کے لئے علیحدہ پروگرام نشر کرنا مناسب ہوگا۔ اس پروگرام میں امور خانہ داری کو خاص اہمیت دی جانی چاہئے اور دوسرے مضامین میں بھی علیحدہ تقاریر کا انتظام کرنا چاہئے مثلاً جغرافیہ میں مختلف ممالک کی عورتوں کی طرز معاشرت اور تاریخ میں مشہور تاریخی عورتوں کے حالات لڑکیوں کے لئے باعث دلچسپی ہوں گے۔

اندھوں کی تعلیم کے لئے لاسلکی کے استعمال کے فوائد اظہر من الشمس ہیں کیونکہ ان کی تعلیم کا دارومدار بہت کچھ ان کی قوت سامعہ ہی پر ہے۔

تعلیم بالغان کے لئے ریڈیو کا استعمال نہ صرف مغربی ممالک بلکہ اب ہندوستان میں بھی عام ہو گیا ہے۔ مدارس بالغان کے تعلیمی اوقات دو گھنٹے سے زیادہ نہیں ہوتے اور ان مدارس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ناخواندہ اشخاص جلد سے جلد پڑھنا لکھنا اور روزمرہ کا حساب سیکھ لیں۔ لیکن اس کے ساتھ اس امر کی بھی ضرورت ہے کہ ان کو تقاریر کے ذریعہ سے ان کے پیشوں اور ماحول کے متعلق معلومات بہم پہنچائی جائیں تاکہ ان کی فکر میں وسعت پیدا ہو اور وہ مفید شہری بن سکیں۔ لاسلکی کے ذریعہ حفظان صحت، مقامی حکومت، ابتدائی جغرافیہ، صنعت و حرفت، زراعت، جانوروں کی دیکھ بھال، بچوں کی پرورش، امداد باہمی، تحریک مسکرات اور اسی قسم کے دوسرے عنوانات پر موزوں تقریروں کا انتظام کیا جائے تو ان سے ملک کی سماجی اور معاشی اصلاح میں بڑی مدد ملے گی۔ دہلی کا دیہاتی پروگرام نہایت دلچسپ اور مفید ہوتا ہے یہ امر باعث مسرت ہے کہ اب نشرگاہ اورنگ آباد سے بھی مرہٹواڑی کے باشندوں کے لئے مرہٹی میں دیہاتی پروگرام نشر کیا جاتا ہے اور متعدد دیہاتوں کے لئے ریڈیو سٹ خریدے گئے ہیں۔

تعلیمی پروگرام کی نشر کی کوئی اسکیم اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک کہ محکمہ نشریات لاسلکی کے ساتھ سررشتہ تعلیمات پورا پورا تعاون نہ کرے۔ انگلستان میں تعلیمی پروگرام کے نشر کے لئے ایک مشاورتی کمیٹی قائم ہے جس میں بی۔بی۔سی کے نمائندوں کے علاوہ تعلیمات کے نمائندے بھی شریک ہیں۔ ہندوستان کی بعض نشرگاہوں مثلاً دہلی، بمبئی اور مدراس کے تعلیمی نشریات کا انتظام ہو چکا ہے۔ اسی نوعیت کی ایک اسکیم ممالک محروسہ سرکار عالی کے مدارس کے لئے محکمہ نشریات نے سررشتہ تعلیمات کے مشورہ سے تیار کی ہے لیکن مالی مشکلات کی وجہ سے ختم جنگ تک اس کا نفاذ ملتوی کیا گیا ہے۔ تاہم یہ امر باعث مسرت ہے کہ لاسلکی نشرگاہ حیدرآباد اپنے پروگراموں کی ترتیب میں عموماً تعلیمی افادیت کو پیش نظر رکھتا ہے چنانچہ تاریخی نیوز کے علاوہ نامور ادیب اور مشہور تاریخی ہستیوں کی یاد میں خصوصی پروگرام نشر کئے جاتے ہیں نیز متفرق علمی اور تعلیمی مضامین پر تقاریر کا مفید سلسلہ بھی شریک پروگرام کیا جاتا ہے بچوں کے روزانہ پروگرام کو بھی ہر اعتبار سے مفید بنانے کی کوشش کی جاتی ہے حال ہی میں بچوں کے لئے خبروں کا ہفتہ واری پروگرام بھی شروع کیا گیا ہے۔ ہر جمعہ خواتین کے لئے بھی خصوصی پروگرام نشر کیا جاتا ہے جس کے تحت امور خانہ داری اور عورتوں کی دلچسپی کے دوسرے مضامین پر ملک کی تعلیم یافتہ خواتین کی تقریریں ہوتی ہیں۔

روسیوں کا اقدام خارکوف کی طرف

ماسکو، ۱۱ر فروری۔ روس کے جرمن خطوط میں جس کو ایک دفعہ ہٹلر نے "ناقابل تسخیر" کہا تھا خارکوف کی طرف روسی یلغار کی وجہ سے مزید رخنے پڑ گئے ہیں۔ روسی اپنی حالیہ کامیابیوں کی وجہ سے خارکوف کے شمال مشرق میں ۱۵-۲۰ میل پر جا پہنچے ہیں۔ اور جنوب مشرق میں روسی افواج صرف ۲۲ میل پر رہ گئی ہیں۔

کل روسیوں نے جس اہم ترین شہر پر قبضہ کیا وہ ولچانسک ہے جو شمال کی طرف سے خارکوف کا بچاؤ کرتا ہے۔ جنوب مشرق میں ان کی نئی پیش قدمی اس وقت ہوئی جب کہ وہ ڈونٹز کے راستے سے چگوئیف کے شہر میں داخل ہو گئے خارکوف کے شمال میں اور ماسکو سے تقریباً نصف راستہ میں بوروکی اور ریل سے کچھ کم (۴۰) میل دور ہیں۔

گو ان علاقوں میں جرمن سخت تشویش میں مبتلا ہیں لیکن ڈونٹز کی وادی میں ان کو غالباً اس سے بھی زیادہ دور بڑے خطرات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ روسی اپنے اس منصوبہ کے ساتھ بڑھ رہے ہیں کہ دشمن کی عظیم افواج کا صفایا کر دیں اور ساتھ ہی اس وادی کے عظیم صنعتی مرکزوں پر دوبارہ قبضہ کر لیں جو دو سال پہلے ان کے ہاتھوں سے نکل چکے تھے۔ جرمن اب روسی خطرہ کو دور کرنے کے لئے اپنی محفوظ فوجیں لا رہے ہیں۔

روستوف جو جنوب کا کلیدی مرکز ہے جنوب اور جنوب مشرق کی طرف سے محفوظ ہے۔ روسی اس محاذ جنگ کے متعلق بہت کم باتیں کہتے ہیں لیکن یہ معلوم ہو چکا ہے کہ بھاری روسی توپیں جرمن دفاعات پر ضربیں لگا رہی ہیں۔

ماسکو، ۱۱ر فروری۔ روسی فوجیں روستوف سے ۲۰-۳۰ میل شمال مشرق میں شہر کی طرف بڑھتی جا رہی ہیں۔ یہ ڈرامائی پیش قدمی سرخ سوار فوج نے کی ہے جو نووو چرکاسک کے نواحی علاقہ میں پہنچ گئی ہے نووو چرکاسک دریائے ڈونٹز سے جنوب کی طرف جانے والی بڑی ریلوے لائن پر واقع ہے۔ ایک جرمن موٹری پیدل فوج کو مار کر بھگا دیا گیا اور دشمن کی سخت مقاومت کے باوجود خونناک لڑائیاں ہو رہی ہیں۔

اس علاقہ میں یہ لڑائی کی پہلی علامت ہے کہ گو روسی اس سمت کو نہیں بتلاتے جہاں سے وہ نووو چرکاسک کی طرف پیش قدمی کر رہے ہیں۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ روسی فوج دریائے ڈان اور دریائے ڈونٹز کے سنگم سے بڑھ رہی ہے۔ جو نووو چرکاسک کے شمال مشرق میں تقریباً (۲۰) میل کے فاصلہ پر ہے۔ اطلاع ملی ہے کہ وہ جنوب سے پیشتر اس علاقہ پر پہنچ گئے تھے۔ لیکن آج تک ان کی پیش قدمی کی کوئی خبر موصول نہیں ہوئی۔

روستوف کے پیچھے قفقاز میں جو روسی دستے ہیں انھوں نے اب بحر ازوف کے ۵۰ میل سے زیادہ لمبے ساحلی خط پر پورا قبضہ کر لیا ہے۔

کراسنوڈار اور نووورسسک کے علاقوں میں دشمن کی جو فوجیں ابھی تک موجود ہیں ان پر روسی اپنی گرفت مضبوط کرتے جا رہے ہیں سارے قفقاز میں یہ علاقے دشمن کی فوج کی آخری جائے پناہ ہیں۔

اس اثنا میں سوویٹ گوریلا فوج اپنی حقیقی قوت ظاہر کرنے لگی ہے اور دشمن کی مقاومت کے مقامات کو نہس نہس کر رہی ہیں اور جو فوجی مواصلات بچ رہے ہیں ان کو برباد کر رہی ہے۔

اعظم پریس چار مینار میں چھپا اور باہتمام (سید حسن اختیار) دفتر حکمت سے ... شائع ہوا۔